دورِ حاضر میں
زوالِ اُمت
کا بُنیادی سبب اور اُس کا حل
از اِفادات
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدرسہ احیاء السنہ و خانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ
فاروقہ ۴۰۰۴۰ ضلع سرگودھا

تمھاری قوم کی تو بِنا ہی ہے دین و ایماں پر
تمھاری زندگی موقوف ہے تعمیلِ قرآں پر
تمھاری فتح یابی منحصر ہے فضلِ یزداں پر
نہ قوت پر نہ کثرت پر نہ شوکت پر نہ ساماں پر

خواجہ مجذوبؒ رحمہ اللہ تعالیٰ

دورِ حاضر میں
زوالِ امت
کا بُنیادی سبب اور اُس کا حل

ازافادات:

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بفیضانِ نظر

حکیم الامت مخدوم الملت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(مہتمم جامعہ اشرف المدارس وخانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی)

پسند فرمودہ

پیر طریقت عارفِ وقت حضرت اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(مہتمم یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور)

مرتب: محمد ارمغان ارمان

ناشر مدرسہ احیاء السنہ وخانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ فاروقہ ۴۰۰۴۰ ضلع سرگودھا

زیرِ سرپرستی پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرتِ اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم مہتمم یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور

نام کتاب: دورِ حاضر میں زوالِ اُمت کا بنیادی سبب اور اُس کا حل

از اِفادات: شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بفیضانِ نظر: حلیم الاُمت مخدوم الملّت عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

پسند فرمودہ: پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرتِ اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

مرتب: خاکپائے اختر و مظہر محمد ارمغان ارمان

صفحات: ۵۶

اشاعت اوّل: محرم الحرام ۱۴۳۷ھ/نومبر ۲۰۱۵ء

تعداد: بارہ سو (۱۲۰۰)

ناشر: مدرسہ احیاء السنہ و خانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ، فاروقہ 40040 ضلع سرگودھا

0301 / 0335-6750208
ehyaussunnah@gmail.com
www.ehyaussunnah.blogspot.com

نگران طباعت و اشاعت
ابوحماد (قاری) محمد عبید اللہ ساجد
مہتمم مدرسہ احیاء السنہ، فاروقہ ضلع سرگودھا

خلیفہ مجاز
پیرِ طریقت عارفِ وقت
حضرتِ اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

لٹریچر کی ترسیل بذریعہ ڈاک اِن پتوں سے بھی ہوتی ہے

یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
بالمقابل چڑیا گھر ● شاہراہِ قائد اعظم ● لاہور

انجمن احیاء السُّنّہ
نصیر آباد ● باغبانپورہ ● لاہور

فہرست

عرضِ مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!

آج پوری دُنیا میں تہذیب وتمدن، تعلیم وتعلّم، زبان و معاشرت، لباس وتہوار، نظریات و اَفکار، معاش و مصنوعات، صحافت و اِبلاغ غرض ہر جگہ مختلف صورتوں میں اہلِ اسلام پر اہلِ کفر کا ہی غلبہ اور تسلط نظر آ رہا ہے، ایک جانب پوری دُنیا کے کفار ایک ہو کر مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھا رہے ہیں اور دوسری جانب مسلمانوں میں بھرپور طاقت وقوت اور کثرت کے باوجود صرف زبانی احتجاج و مذمت اور اظہارِ افسوس ہی رہ گیا ہے، ہر طرف اور ہر جگہ نفسانفسی کا عالم اور خود غرضی کا نشہ عام ہے۔ ہمارے آقا سرورِ عالم ﷺ نے تو مومن کی ایک صفت یہ ارشاد فرمائی تھی کہ:

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ

اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَ الْحُمّٰى

(متفق علیه، کذا فی المشکاة، کتاب الآداب، باب الشفقة و الرحمة علی الخق، الفصل الاوّل)

”اے مخاطب! تو مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے سے رحم کا معاملہ کرنے، ایک دوسرے سے محبت وتعلق رکھنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی ومعاونت کا سلوک کرنے میں ایسا پائے گا جیسا کہ بدن کا حال ہے، کہ جب بدن کا کوئی عضو دُکھتا ہے تو بدن کے باقی اعضاء اس ایک عضو کی وجہ سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور بیداری و بخار کے تعب و دَرد میں سارا جسم شریک رہتا ہے“۔

اور ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا کہ:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ

وَ اِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّه (رواہ مسلم، کذا فی المشکاة)

’’(ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک دین کو ماننے کی وجہ سے) سارے مسلمان ایک شخص (کے اعضاء وجسم کے) مانند ہیں، کہ اگر اس کی آنکھ دُکھتی ہے تو اس کا سارا جسم بے چین ومضطرب ہو جاتا ہے اور اس کا سَر دُکھتا ہے تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف کو سارے مسلمانوں کو محسوس کرنا چاہیے‘‘۔

افسوس! آج ملتِ اسلامیہ میں باہمی اِتحاد و اِتفاق، رَبط و تعلق، محبت و اخوت، اِحترام و اِکرام اور دینداری ورحم دلی کا شدید فقدان جبکہ آپس میں اِفتراق و اِختلاف، انتشار واضمحلال، نفرت و عداوت اور تعصب ومنافرت کی بہتات ہورہی ہے۔ آہ! یہ سب دیکھ کر دِل خون کے آنسو روتا ہے۔

کافی عرصہ سے قومی و عالمی سطح پر مظلوم مسلمانوں کے لیے اجتماعیت سے ہٹ کر مختلف صورتوں میں کچھ نہ کچھ ہوتا دیکھ رہے ہیں اور نتائج اس جملے کے مصداق نظر آتے ہیں ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کیونکہ مرض کی تشخیص اور طریقۂ علاج ہی درست نہیں ہے تو صحت یابی کیسے ہو؟ پھر عالمِ اسلام کی اس زبوں حالی کا اصل سبب اور اس سے نجات کا راستہ کیا ہے؟

خاتم الانبیاء والمرسلین رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیثِ مبارکہ میں ایسے حالات کا اصل سبب بیان فرمایا ہے، راہِ نجات بھی اسی میں واضح ہے۔ موجودہ حالات کے پیشِ نظر قلب میں بار بار داعیہ پیدا ہورہا تھا کہ اس عنوان پر سادہ اور عام فہم الفاظ میں ایک چھوٹی کتاب ہو جس میں عامۃ المسلمین کو اصل سبب ومرض بیان کرکے اس کے علاج کی ترغیب دی جائے۔

زیرِ نظر کتاب ’’دَورِ حاضر میں زوالِ اُمت کا بنیادی سبب اور اُس کا حل‘‘ اسی موضوع پر ایک کاوش ہے جو حکیم العصر شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ سیّدی ومرشدی حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے جملہ مطبوعہ مواعظ وملفوظات وغیرہ سے انتخاب کرکے ترتیب دی ہے، نیز عناوین وحوالہ جات بھی لگائے۔ مذکور بالا حدیثِ نبوی ﷺ بنیاد اور باقی کتاب اس کی تشریح ہے۔ کوشش کی ہے کہ مضمون میں غیر ضروری تکرار اور طوالت نہ ہو، مگر تھوڑا بہت اس میں تکرار محسوس ہوگا جو شبہات واشکالات کے اِزالہ اور اصل بات کو دِل میں بٹھانے کے لیے ہے۔

اس کے مطالعہ سے اصل سبب کے صحیح حل کی طرف توجہ اور فکر پیدا ہوگی، موجودہ معاشرتی مسائل کا حل ملے گا، دُنیا سے بے رَغبتی، آخرت کی فکر، نفس کا محاسبہ اور اللہ تعالیٰ پر فدا ہونے کو جی چاہے گا، نیز صحبتِ اہل اللہ اور اِصلاح و تزکیۂ نفس کی اہمیت و ضرورت بھی واضح ہوگی اِنْ شَآءَ اللہُ الْعَزِیْز۔ کیا خوب کہا ہے مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کہ ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ربِّ کریم سے دُعا ہے کہ ربِّ کریم اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرما کر اُمتِ مسلمہ کے لیے نافع اور حالات کی درُستی و اصلاح کا ذریعہ بنا دے، اور اسے ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت اور حضرت والا مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقۂ جاریہ بنا دے، اور ہم سب کو صحیح معنوں میں شریعت و سنت پر عمل کرنے والا بنا دے، اور ہم سب کی ہر قسم کے شرور و فتن سے حفاظت فرما دے، اور ہم سب کو استقامت علی الدین و خاتمہ بالایمان نصیب فرما دے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

خاکپائے اختر و مظہر
محمد ارمغان ارمان
ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ

نہ صورت ہے مسلمانی نہ سیرت ہے مسلمانی
رہے ناکام گو تم کر چکے ہر سعی امکانی
بھلا اس حال میں پھر کیا ہو تم پر فضلِ یزدانی
مسلماں بن کے دیکھو کامراں پھر ہو بآسانی
مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

(خواجہ مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ)

دورِ حاضر میں زوالِ اُمت کا بنیادی سبب اور اُس کا حل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جینے کا ڈھنگ بتانے کا حق کس کو ہے؟

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پارہ نمبر ۲۹ میں سورۂ ملک (آیت:۲) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ دُنیا امتحان کی جگہ ہے، اور اللہ نے ہم کو دُنیا میں امتحان کے لیے بھیجا ہے عیش کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔ لہٰذا نفس و شیطان کے راستہ پر چلنا اور اپنے مالک کو ناراض کرنا اور پھر قبر میں جا کر عذاب میں مبتلا ہونا نادانی اور عقل کے خلاف ہے۔

دُنیا میں کسی کو حق نہیں کہ ہم کو جینے کا راستہ بتائے؛ نہ امریکہ کو، نہ افریقہ کو، نہ رُوس کو، نہ جاپان کو، کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بتائیں کہ ہم کس طرح زندگی گزاریں۔ جینے کا راستہ بتانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول خاتم الانبیاء ﷺ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ہمیں جینے کا راستہ بتائیں۔ کیونکہ اللہ کی مرضی پر چل کر ہی ہم دُنیا اور آخرت میں آرام سے رہ سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے خالق اور مالک ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے مالک کو ناراض کرے تو ساری دُنیا اس کو آرام نہیں پہنچا سکتی اور مالک بھی ایسا طاقت والا مالک ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہے۔......

ہر وقت یہ سوچنا چاہیے کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کس وقت اپنے پاس بُلا لیں اور حساب کتاب شروع ہو جائے کہ بتاؤ! تم نے اپنی زندگی کس طرح گزاری؟ (حقوق الرجال:۵، ۶)

کسی کافر سے پوچھو کہ کیوں کھاتے ہو؟ تو کہے گا: جینے کے لیے، اور پوچھو کہ کیوں جیتے ہو؟ تو کہے گا: کھانے کے لیے۔ اور کسی اللہ کے ولی سے پوچھو تو کہے گا: کھاتے ہیں جینے کے لیے، لیکن جیتے ہیں اللہ تعالیٰ پر فدا ہونے کے لیے۔ (سفرنامۂ رنگون وڈھاکہ:۱۲۷)

مقصدِ حیات ''رضائے الٰہی'' کا حصول ہے:

زندگی کے اصل مزے اسی نے پائے جس نے زندگی دینے والے پر زندگی فدا کی، کیونکہ وہ ''مقصدِ زندگی'' پا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرما کر مقصدِ حیات قرآنِ پاک میں نازل فرما دیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ O

(الذّٰریٰت:۵٦)

ہم نے تم کو اپنی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا مجھ کو چھوڑ کر غلط جگہوں میں اِن (in) ہونے کی کوشش نہ کرنا، کیونکہ وہاں تم نجاست اور غلاظت ہی پاؤ گے، ان حسینوں کے چہروں کو بھی مت دیکھو، اگر تم ان کے اندر داخل ہوئے تو تم کو غلاظت اور نجاست ہی ملے گی۔ حسینوں کا یہ حُسن امتحان کے لیے ہے، لآ اِلٰہ کی تکمیل کے لیے یہ اِلٰہ دیے گئے ہیں تاکہ تم ان کی نفی کرو اور مولیٰ کو پا جاؤ۔ لیلاؤں کو اس لیے پیدا کیا کہ لیلیٰ سے نظر کو بچایا اور مولیٰ کو دل میں پایا۔ لیلیٰ بے کار نہیں پیدا کی گئی ہے، انھیں سے نظر بچانے کا غم اُٹھانے سے مولیٰ ملتا ہے۔ (قلبِ عارف کی آہ وفغاں: ۳٦، ۳۷)

''مقصدِ حیات'' اور ''وسائلِ حیات'' میں فرق:

مکان بنانا، کھانا پینا، کپڑے پہننا، شادی کرنا، بال بچوں کی تربیت کرنا یہ مقاصد میں سے نہیں ہے یہ سب ''وسائلِ حیات'' ہیں، ''مقصدِ حیات صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے''۔ اس کی دلیل قرآنِ پاک کی یہ آیت ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ O

یعنی ہمارا مقصدِ پیدائش اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ مفسرین نے لِيَعْبُدُوْنِ کی تفسیر لِيَعْرِفُوْنِ سے کی ہے یعنی اللہ نے ہم کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ ہم اللہ کو پہچانیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لِيَعْبُدُوْنِ کیوں نازل فرمایا؟ لِيَعْرِفُوْنِ کیوں نہیں نازل فرمایا؟ اس کی تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر رُوح المعانی میں فرماتے ہیں کہ لِيَعْبُدُوْنِ سے مراد لِيَعْرِفُوْنِ ہے، مگر لِيَعْبُدُوْنِ اس لیے نازل فرمایا کہ معرفت وہی قبول ہوگی جو عبادات کے راستہ

سے ہوگی۔(رُوح المعانی: ۲۱/۲۷، بیروت) (علاماتِ ولایت:۱۰،۱۱)

مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک کیڑا انگور کے درخت پر چڑھا اور ہرے پتّے پر ہی چپک کر زندگی گزار کر مَر گیا، اُس نے انگور چکھا تک نہیں، وہ سمجھا کہ شاید یہی انگور ہے۔ اسی طرح ہم لوگ دُنیا کی نعمتوں میں پھنس کر نعمت دینے والے کی معرفت کے انگور کی لذت سے محروم رہتے ہیں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا داروں کا بھی یہی حال ہے کہ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، سو رہے ہیں، جاگ رہے ہیں، لیکن کاش! یہ لوگ آگے بڑھیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے انگور کھائیں تو ہرا پتّہ بھول جائیں گے۔ اگر وہ کیڑا انگور پالیتا اور اُس کو چوس لیتا تو کہتا کہ ''ہائے! میں نے ہرے پتّے پر زندگی ضائع کردی''۔(طلبہ مدرسین سے خصوصی خطاب:۳۰،۳۱)

حضور ﷺ کا بعد میں آنے والے مسلمانوں کو ''حبیب'' کہہ کر پکارنا:

حضور ﷺ صحابہ سے فرماتے ہیں: مَتٰی اَلْقٰی اَحِبَّائِیْ کہ میں اپنے حبیبوں سے کب ملوں گا؟ حبیب پیارے کو کہتے ہیں، دوست کو کہتے ہیں، محبوب کو کہتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: اَلَسْنَا اَحِبَّاءُ کَ کیا ہم آپ کے حبیب نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ تم میرے صحابہ ہو۔

وَ اَحِبَّائِیَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بَعْدِیْ وَلَمْ یَرَوْنِیْ

(انظر: کنز العمال: ۱٤/٥٢(۳۷۹۱۳)، بیروت)

''میرے اَحباء وہ ہیں جو میرے بعد مجھ پر ایمان لائیں گے اور انھوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہوگا''۔

بتائیے! ہم لوگوں کو حضور ﷺ نے کس لقب سے پکارا ہے؟ بتاؤ بھائی! اللہ کے رسول کا حبیب بننا ہے یا نہیں؟ تو کیا حبیب اور دوستوں کا یہی کام ہے؟ جس عظیم ذات نے ہمیں ''حبیب'' کے لقب سے نوازا ہے ہم اُن کے دل کو نافرمانیاں کر کے، ڈاڑھی منڈا کر، ہر وقت گانا بجانا کر دُکھائیں؟ گانے بجانے کو مٹانے کے لیے تو آپ بھیجے گئے ہیں اور آج ہر گھر میں گانا بجانا ہو رہا ہے اور دیواروں پر جانداروں کی تصویریں ٹنگی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے اُمت پریشان ہے۔ لہٰذا میرا ایک ہی

جملہ سن لیجیے کہ:

''زمین والے کبھی خوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتے اگر آسمان والے کو ناراض کر رکھا ہے''۔

(سکونِ قلب کی بے مثال نعمت:۲۹،۳۰)

دُنیا بھر میں مسلمان کیوں ذلیل ہو رہے ہیں؟

بڑے بکس میں ایک چھوٹا صندوقچہ ہوتا ہے اور چھوٹے صندوقچہ کی قیمت سے اس بڑے بکس کی قیمت لگتی ہے۔ اگر بڑے بکس میں رُوئی اور گدڑی اور بچوں کے پیشاب پاخانہ کے کپڑے بھرے ہوئے ہیں تو اس کی کوئی قیمت نہیں، اس کی حفاظت بھی نہیں کی جاتی۔ لیکن اگر کسی بڑے بکس میں ایک چھوٹا صندوقچہ ہے جس میں ایک کروڑ کا کوئی موتی رکھا ہوا ہے، تو وہاں سنتری اور پہریدار بھی ہوتا ہے، چھوٹے صندوقچہ کی وجہ سے بڑے بکس کی بھی حفاظت کی جاتی ہے۔

لہٰذا ہمارے قلب میں اگر ''اللہ تعالیٰ کی محبت، ایمان اور تقویٰ'' جیسی نعمتیں حاصل ہیں تو ہمارے ظاہر کی بھی حفاظت کی جائے گی۔

آج ہم کو اشکال ہوتا ہے کہ ہم اِسرائیل سے کیوں پِٹ گئے؟ ہندوستان میں ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، دُنیا بھر میں مسلمان کیوں ذلیل ہو رہے ہیں؟ تو اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس صرف بڑے بکس ہیں اور پہلے سے بہت شاندار ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ظاہر سے ہمارا ظاہر کہیں زیادہ مزین ہے، لیکن ان کے باطن میں جو قیمتی موتی تھا آج ہمارے قلوب اس سے خالی ہیں اور آج اسی کی ہمیں ضرورت ہے اور وہ کیا ہے؟ ''تعلق مع اللہ''! اللہ تعالیٰ کی محبت، خشیت اور تقویٰ ہے۔ اسی کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

دلے دارم جواہر پارۂ عشق است تحویلش
کہ دارد زیر گردوں میر سامانے کہ من دارم

اے سلاطینِ مغلیہ! ولی اللہ اپنے سینے میں ایک دل رکھتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ موتی اور جواہرات ہیں۔ آسمان کے نیچے اگر مجھ سے زیادہ کوئی امیر ہو تو سامنے آئے۔ یہ ہیں اللہ

والے! کہ جب اللہ کی محبت عطا ہو جاتی ہے تو سلاطین کو خاطر میں نہیں لاتے۔ (استغفار کے ثمرات: ۶، ۷)

مسلمانوں کے زوال کا اہم سبب ''دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت'' ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کفر وضلالت کے گروہ قریب ہیں کہ ان کے بعض آدمی بعض کو تم سے لڑنے اور تمھاری شان وشوکت کو مٹانے کے لیے بلائیں گے جس طرح کہ ایک کھانا کھانے والی جماعت جمع ہوتی ہے اور اس کے بعض بعض کو کھانے کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے پوچھا: کیا وہ لوگ اس لیے ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس زمانہ میں بڑی تعداد میں ہو گے لیکن ایسے جیسے نالوں کے کنارے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں، یعنی تم میں قوت وشجاعت نہ ہو گی اس لیے نہایت ضعیف وکمزور ہو گے، تمھارا رُعب اور تمھاری ہیبت دُشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمھارے دلوں میں ضعف و سُستی پیدا ہو جائے گی۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! وَھْنُ (ضعف وسُستی) کیا چیز ہے؟ (یعنی اس کے پیدا ہونے کا سبب کیا ہے؟) فرمایا:

حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

(رواہ ابو داؤد و البیھقی فی دلائل النبوۃ، کذا فی المشکاۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثانی)

''دُنیا کی محبت اور موت سے بے زاری اور نفرت''۔

اس زمانہ میں اہلِ کفر سے اہلِ اسلام کا رُعب جاتا رہا اور اہلِ کفر جنگ میں غالب آرہے ہیں، اس کا راز یہی ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے دلوں میں ''دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت'' پیدا ہو گئی ہے اس وجہ سے جہاد کی اصلی رُوح نہیں پیدا ہوتی۔ اور اسلامی ملک صرف نام کا تو اسلامی ہے لیکن اکثریت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی میں مبتلا ہے؛ بے پردگی، بے حیائی، سینما، نائٹ کلب، ٹیلیویژن اور پوری زندگی سنتِ نبوی سے دُور اور اہلِ مغرب کی عیاشی کے خطوط پر محوِ گردشِ ہلاکت ہے۔

(دُنیا کی حقیقت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں: ۱۶۳۔۱۶۴)

اگر آج ہماری فوج میں اور ہمارے ملک میں صحیح ایمان آجائے تو وَاللّٰہ کہتا ہوں کہ جس طرح تین سو تیرہ صحابہ نے جنگ فتح کی تھی، اگر آج بھی اللہ کی مدد ساتھ ہو تو ہمارے لیے کوئی چیز مشکل نہیں ہے۔ لیکن افسوس یہی ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ کی محبت بہت کمزور ہو گئی ہے، ''دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت'' ان دو چیزوں نے آج اُمت کو دُنیا میں گھاس پھوس کی طرح حقیر بنا کر رکھ دیا ہے۔
(آثارِ محبتِ الٰہیہ:۲۵)

دُنیا دھوکے کا گھر ہے:

منقول دلیل تو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی کہ:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ O

(آل عمران:۱۸۵)

دُنیا دھوکے کا گھر ہے۔ جس نے دُنیا بنائی ہے وہ خود کہہ رہے ہیں کہ یاد رکھنا! دُنیا دھوکے کا گھر ہے۔ آپ بتلایے! اگر ٹیوٹا کمپنی کوئی کار بنا کر بیچے اور اپنے کسی پمفلٹ میں اس کے بارے ہدایات کر دے کہ جہاں کوئی اَسپیڈ بریکر یا کوئی کھڈا آئے تو بریک لگا کر آہستہ کر لینا۔ پھر کوئی کہے: ارے ٹیوٹا کمپنی والا ایسے ہی جھوٹ بولتا ہے، اس کو بکنے دو۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ اگر اس کے خلاف چلو گے تو ٹیوٹا کار تمھیں کھڈے میں گرادے گی یا نہیں؟

دُنیا کی کمپنی جو چیز بناتی ہے تو ہر شخص اس کی ہدایت کا پابند ہے، بتایے! عقل کہتی ہے کہ نہیں؟ تو جس نے دُنیا بنائی ہے اس کی ہدایت کے مطابق دُنیا میں رہنا عقلاً بھی ضروری ہے یا نہیں؟...... اس لیے عقلاً بھی سوچنا چاہیے کہ دُنیا دِل لگانے کے قابل نہیں۔ (دارِ فانی میں بالطف زندگی:۸،۹)

دُنیا ختم ہونے والی ہے:

دُنیا کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے؛ یہاں نہ بہار کو قرار ہے نہ خزاں کو، نہ راحت کو نہ مصیبت کو، نہ غم کو نہ خوشی کو، نہ مال و دولت کو نہ عہدہ و منصب کو، نہ بیوی بچوں کو نہ دوست احباب کو، یعنی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کسی چیز کو یہاں قرار نہیں، سب آنکھیں چرانے والی ہیں، یہاں تک کہ خود

انسان کی زندگی اور صحت اس سے بے مروتی اور بے وفائی کا ہر روز اعلان کرتی ہے۔ قرآنِ مجید نے دُنیوی زندگی کی حیثیت کو بڑے دِلنشین انداز میں سمجھایا ہے، ارشاد ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ...... وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ O

(الحدید: ۲۰)

''خوب جان لو کہ دُنیوی زندگی محض ایک کھیل کُود اور ظاہری خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر برتری جتلانا ہے، گویا کہ بارش ہے کہ اس پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر خشک ہو جاتی ہے، سوتو اسے زَرد دیکھتا ہے، پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید بھی ہے، اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دُنیوی زندگی محض مَتَاعُ الْغُرُوْرِ دھوکے کا سامان ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ اس عارضی وفانی دُنیا کے برعکس عالمِ آخرت باقی ولازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں، دونوں ثابت وباقی؛ ایک کافروں کے لیے اور وہ عذابِ شدید ہے، دوسری ایمان والوں کے لیے اور اللہ کی مغفرت ورحمت ہے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصودِ اعظم بنالے۔ احقر کا شعر ہے ۔

یوں تو دُنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دُنیا کی حقیقت کھل گئی

اس کے باوجود ہم لوگ اس پر جان نچھاور کرتے رہتے ہیں اور اس کی فکر اور چکر میں پڑ کر اللہ کی بلند وبالا ذات کو بھول جاتے ہیں، یعنی ہم نے دُنیا اور متاعِ دُنیا کو لیلیٰ بنا کر اپنے مولیٰ کو فراموش کر دیا ہے جو کس قدر غفلت کشی اور انجام سے بے خبری کی بات ہے ۔

قدم سُوئے مرقد، نظر سُوئے دُنیا
کہاں جا رہا ہے، کدھر دیکھتا ہے

(رُوح کی بیماریاں اور اُن کا علاج: ۴۸۹، ۴۹۰، حصہ دوم)

دُنیا و آخرت میں سوکن کا تعلق ہے:

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٖ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ

فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى

(صحيح ابن حبان: ٤٨٦/٢ (٧٠٩)، كتاب الرقاق، باب الفقر و الزهد و القناعة، بيروت)

''جو شخص دُنیا سے زیادہ محبت رکھے گا تو اس کی آخرت خراب ہو جائے گی، اور جو آخرت سے زیادہ محبت رکھے گا تو اس کی دنیا کو نقصان پہنچے گا، پس جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس کو خوش کرلو''۔

دُنیا و آخرت میں ''سوکن'' کا تعلق ہے، دونوں خوش نہیں رہ سکتیں۔ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں تو اگر ایک کو راضی کرے گا تو دوسری ناراض ہو جائے گی، لہٰذا آخرت کو خوش کرو گے تو دنیا ضرور ناراض ہو جائے گی۔ فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى یعنی جو ہمیشہ رہنے والی ہو اس کو خوش کرو۔

(دارِ فانی میں بالطف زندگی: ٧، ٨)

دُنیا آخرت کے تابع ہے۔ آخرت حقیقت ہے دُنیا سایہ؛ سائے کے پیچھے بھاگو گے حقیقت اور دُور ہوتی جائے گی، آخرت کو پکڑ لو سایہ خود بخود قبضہ میں آجائے گا۔ اسی وجہ سے اللہ والوں کو روزی بھی عزت سے ملتی ہے، وہ دُنیا کو ٹھکراتے ہیں دُنیا اُنکے قدموں میں آتی ہے۔ (خزائنِ معرفت و محبت: ٢٣)

دُنیا کی محبت اور اللہ کی محبت کا اِمتزاج کیسے ہو؟

دُنیا اور آخرت کا اِمتزاج اور اِرتباط کا فلسفہ حضرت عارف رُومی رحمۃ اللہ علیہ متکلمِ اُمت نے یوں حل فرمایا ہے ؎

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

دُنیا کی مثال پانی سے اور آخرت کی مثال کشتی سے دی ہے کہ جس طرح پانی کے بغیر کشتی چل نہیں سکتی مگر شرط یہ ہے کہ یہ پانی نیچے رہے، کشتی میں داخل نہ ہو، اگر پانی اندر داخل ہوا تو یہی کشتی کی

ہلاکت کا بھی سبب ہوگا جو نیچے روانی کا سبب تھا۔ٹھیک اِسی طرح دُنیا اگر دل کے باہر ہواور دل میں حق تعالٰی کی محبت غالب ہو،یعنی نعمت کی محبت سے نعمت دینے والی کی محبت غالب ہوتو آخرت کی کشتی ٹھیک چلتی ہے اور اِسی دُنیا سے دین کی خوب تیاری ہوتی ہے،اور اگر دُنیا کی محبت کا پانی دل کے اندر گھس گیا یعنی آخرت کی کشتی میں دُنیا کا پانی داخل ہوگیا تو پھر دونوں جہاں کی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔دُنیا کا نفع اور سکون بھی چھن جاوے گا جس طرح کشتی کے غرق ہوتے وقت، پھر وہ پانی کشتی کے لیے باعثِ سکون ہونے کے بجائے باعثِ ہراس وتباہی ہو جاتا ہے۔پس نافرمان انسان کے پاس یہ دنیا سبب نافرمانی بن جاتی ہے اور اللہ والوں کے پاس یہ دُنیا فرمانبرداری میں صرف ہوتی ہے اور باعثِ سکون و چین ہوتی ہے۔(رُوح کی بیماریاں اور اُن کا علاج:۱۴۹،حصہ اوّل)

دُنیا ہاتھ میں ہو،جیب میں ہواَور اِردگرد ہو،بس دِل میں نہ ہو۔جس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کا فرمانبردار ہو،نافرمانی میں مبتلا نہ ہو،تو سمجھ لو کہ دُنیا آخرت جمع ہوگئی۔(تعمیرِ وطنِ آخرت:۱۷)

خواجہ مجذوبؔ صاحب رحمہ اللہ تعالٰی نے کیا خوب فرمایا کہ ؎

دُنیا میں ہوں، دُنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

اور حضرت والا مرشدی نور اللہ مرقدہٗ کا شعر ہے ؎

دُنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

محبتِ الٰہیہ کیسے غالب ہوتی ہے؟

مگر اس کے لیے مشق ہے، زبانی جمع خرچ کافی نہیں ہے۔’’اہل اللہ کی صحبت‘‘ سے اس محبت کو غالب کرنا سیکھا جاتا ہے۔اگر صحبت ضروری نہ ہوتی تو قرآن کافی ہو جاتا۔لیکن جب ’’کتاب اللہ‘‘ نازل ہوئی اس کے ساتھ ’’رِجال اللہ‘‘ یعنی انبیاء بھی اللہ نے پیدا کیے کہ کتاب تو نازل کردی لیکن کتاب پر عمل کرنے کی تربیت ہمارے پیغمبر دیں گے۔اور جب پیغمبر دُنیا سے چلے گئے تو اللہ نے ان

کے نائبین یعنی علماء اور اولیاء اللہ بھیجے، جیسے صدر چلا جاتا ہے تو نائب صدر دستخط کرتا ہے۔
(خزائنِ معرفت ومحبت: ۳۴۳، ۳۴۴)

صحبت کی برکت سے ایسی استقامت نصیب ہو جاتی ہے کہ دنیا بھر کی طاقتیں چاہیں کہ یہ اللہ کو چھوڑ دے، کفر کے تمام ممالک ایٹم بم کی قوت لگا دیں، یہ اپنے جسم کے پرخچے اُڑا دے گا لیکن اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جو اللہ والوں کے پاس نہیں رہتے چاہے خود اپنے طور پر عبادت بھی کرتے ہوں مگر انھیں استقامت نصیب نہیں ہوتی، ...... کیونکہ بغیر صحبت کے اللہ کی محبت دل میں پوری نہیں آسکتی اور بغیر محبت کے استقامت سخت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ (خزائنِ معرفت ومحبت: ۳۶، ۳۷)

''دُنیا کو لات مارو'' کا مطلب:

دُنیا مطلق مذموم نہیں بلکہ وہ دُنیا مذموم ہے جو آخرت سے غافل کر دے:

وَاِنْ جَعَلْتَهَا وَسِيْلَةً لِّلْاٰخِرَةِ وَ ذَرِيْعَةً لَّهَا فَهِيَ نِعْمَ الْمَتَاعُ

''اور اگر تم نے دُنیا کو آخرت کا ذریعہ بنالیا تو وہی دُنیا بہترین پونجی ہے''۔ (مجالسِ ذکر: ۲۲، ۲۳)

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

چیست دُنیا؟ از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

خدا سے غافل کرنے کا نام دُنیا ہے۔ سونا، چاندی، مال و دولت، بیوی بچے وغیرہ اگر کسی کو اللہ سے غافل نہیں کرتے تو یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں عین دین ہیں۔ (خزائنِ شریعت وطریقت: ۴۸۲)

ایک دفعہ میں کانپور (انڈیا) ہوتے ہوئے باندہ مولانا صدیق صاحب کے یہاں جا رہا تھا تو ایک جگہ کانپور کے تاجر حضرات جمع ہو گئے۔ مجلس میں جامع العلوم کے مفتی منظور صاحب بھی تھے تو ان لوگوں نے مفتی صاحب کو وکیل بنایا کہ آپ مسئلہ پوچھیں کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ''دُنیا کو لات مارو، دُنیا سے محبت مت کرو''، تو بغیر محبت کے ہم کیسے کارخانے اور فیکٹریاں چلا سکتے ہیں؟ اگر محبت نہ ہو تو راتوں کو جاگنا، یونین سے نپٹنا، مال منگوانا بڑا مشکل ہے، خاصی مشغولی ہوتی ہے تاجر کو۔

تو میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ بیوی بچوں، ماں باپ، کارخانوں اور تجارت کی جائز محبت سے منع نہیں کرتے بلکہ ان کی شدید محبت بھی جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ بس یہ چاہتے ہیں کہ اس کی محبت دُنیا کی تمام محبتوں پر غالب ہو جائے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

(البقرة:١٦٥)

اگر ماں باپ، بیوی بچوں، تجارت اور فیکٹریوں کی محبت ففٹی پَرسنٹ (۵۰رفیصد) ہے تو اللہ کی محبت ففٹی وَن (۵۱رفیصد) کرلیں، ایک پَرسنٹ اللہ کی محبت زیادہ کرلو، بس کامل مومن ہو جاؤ گے۔قرآنِ کریم نے اَشد فرمایا، اور ''اَشد اور شدید'' کی نسبت علماء سے پوچھ لیجیے۔

امتحانِ محبت بھی ہوگا:

مگر اَشد اور شدید کا امتحان ہوگا۔ کیسے معلوم ہوگا کہ اس پر اللہ کی محبت غالب ہے یا مال و دولت کی؟ امتحان کے موقع پر اس کا پتہ چلے گا۔ جیسے دو آدمی اَلیکشن کے لیے کھڑے ہوں اور دونوں آپ کے دوست ہوں، تو دونوں آپ کے پاس آئیں گے، اب کیسے پتہ چلے گا کہ کس کی محبت آپ کے دل میں زیادہ ہے؟ تو جس کی محبت غالب ہوگی اسی کو آپ ووٹ دیں گے۔ اسی طرح جب اللہ کی خوشی اور ہماری خوشیوں کا مقابلہ ہو، اس وقت امتحان ہوگا کہ اپنی خوشی پر چلتے ہو یا اللہ کی خوشی پر، تب پتہ چلے گا کہ اللہ کی محبت زیادہ ہے یا اپنے نفس کی محبت۔ (تعمیرِ وطنِ آخرت:۱۲،۱۳)

کیا مُلّا اور اللہ والے دُنیا چھُڑاتے ہیں؟

لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ والے دُنیا چھُڑاتے ہیں، حالانکہ اللہ والے دُنیا نہیں چھُڑاتے وہ تو ہمیں دونوں جہان کی بادشاہت دینا چاہتے ہیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جو ذات دونوں جہان کی مالک ہے اس کو راضی کرلو تا کہ دُنیا کی زندگی میں بھی وہ عیش مل جائے جس پر بادشاہ رَشک کریں اور جنت کی دائمی سلطنت بھی مل جائے۔ جو شخص دونوں جہان کے مالک کو راضی کر لیتا ہے تو وہ مالکِ دو جہاں بھی اس کی زندگی کو عیش اور سکون والی زندگی بنا دیتا ہے۔ (فضائلِ توبہ:۲۸)

لوگ کہتے ہیں کہ مُلاّ دنیا چھڑاتا ہے، مُلاّ ہمارے عیش کو چھینتا ہے۔ نہ جانے کس مُلاّ کے پلّے پڑ گئے ہیں، اخترؔ نے تو جن مُلاّؤں کی جوتیاں اُٹھائی ہیں وہ تو یہی کہتے تھے کہ گناہ سے بچنے میں بڑا مزہ ہے، بڑا لطف ہے اور ہمارا مالک جن کے یہ مُلاّ لوگ وکیل ہیں، وہ مالک، وہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرما رہے ہیں کہ:

فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً

(النحل:۹۷)

اگر تم ایمان لاؤ اور اعمالِ صالحہ کرو تو ہم تمھیں ضرور بالضرور لطف والی زندگی دیں گے۔اب بتائیے کہ کس نے کہا کہ مُلاّ بننے سے لطف ختم ہو جاتا ہے؟ دیکھو! جس نے پیدا کیا ہے وہ کیا فرمارہے ہیں؟ وہ قرآنِ پاک میں اعلان فرمارہے ہیں کہ اگر پریشانی کی زندگی خریدنا ہے تو ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ، پھر جہاں جاؤ گے نافرمانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے، کیونکہ:

فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا

(طٰہٰ:۱۲٤)

ہم اس کی زندگی کو تلخ کر دیں گے۔ میرے بال سفید ہو گئے لیکن آج تک مجھے ایک مثال بھی نہیں ملی کہ جسکو گناہوں کی عادت ہو وہ چین وسکون سے رہتا ہو۔ (کیفِ رُوحانی کیسے حاصل ہو؟:۲۶،۲۷)

''ترقی'' کا صحیح مفہوم:

''ترقی'' کی دو قسمیں ہیں: ① ظاہری ترقی ② حقیقی ترقی

اللہ سے غافل ہو کر جس ذریعہ اور جس طریقہ سے بھی ترقی کی جائے وہ ظاہری ترقی ہوگی، حقیقی اور اَصلی ترقی وہ ہے جو اللہ سے تعلق قائم کرتے ہوئے کی جائے۔ اسے ایک مثال سے سمجھیے!

ایک شخص مغزیات کا استعمال کرے، بادام اور میوے خوب کھائے، یقیناً اس سے اس کا جسم فربہ ہوگا، وہ صحت منداور تندرست ہوگا۔ لیکن ایک شخص وہ ہے جس کا جسم مقویات کے استعمال سے نہیں بلکہ ضربِ شدید یا کسی بیماری سے ورم کر جائے۔ اب دیکھیے! دونوں جگہ جسم کی ترقی ہے، مگر پہلی ترقی

''حقیقی'' ہے اور دوسری ترقی ''ہائے ہائے والی'' ترقی ہے۔ اسلام پہلی ترقی کی دعوت دیتا ہے جس میں اطمینان ہے، قرار اور دِل جمعی ہے۔ دوسری ترقی سے اس کا کوئی سروکار نہیں، یہ تو ہمیشہ انسان کو مضطرب اور بے چین رکھتی ہے، ننانوے کے پھیر سے اس کا قدم نکلتا نہیں اور سیر کبھی ہوتا نہیں، یہ ترقی انسان کو ھواوہوس اور حرص ولالچ کا غلام بنائے رکھتی ہے، قناعت اور صبر وسکون سے اس کا دامن خالی ہے، اس ترقی کے لیے یورپ اور امریکہ کی مثال آپ سامنے رکھ سکتے ہیں۔

آپ کو چاہیے کہ ترقی کے صحیح مفہوم سے واقف ہوں اور اسی ترقی کے دل و جان سے شیدا ہوں، اور ظاہری ترقی کی طمع میں نہ آئیں کہ یہ ترقی باعثِ پریشانی اور بے سکونی ہوتی ہے۔

(رُوح کی بیماری اور اُن کا علاج: ۴۸۷، حصہ دوم)

''میں بہت بزی ہوں'':

جو لوگ دُنیا کی مشقتوں میں لگے ہوئے ہیں ان سے اگر کہا جائے کہ آپ کچھ دین کی طرف آیے، کچھ نماز و جماعت کی پابندی کیجیے، ایمان و یقین میں روشنی لانے والے اعمال کیجیے۔ تو کہتے ہیں کہ ''میں بہت بزی (Busy) ہوں''۔

لیکن افسوس! بزی کا ہے میں ہیں؟ دُنیا کی مشقتوں میں۔ جسمانی محنتوں سے زیادہ ذہنی اور فکری محنتیں کرتے ہیں، لاکھوں من کا بوجھ ان کے دماغ پر ہے، مزدور بھی اتنی محنت نہیں کرتا جتنی یہ کرتے ہیں۔ جہاں چند روز رہنا ہے وہاں کے آرام کے لیے تو اُنھوں نے اپنا آرام حرام کر رکھا ہے، اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے ذرا سی مشقت بھی گوارا نہیں اور اس اَبدی آرام کی فکر نہیں، اس کی کوشش اور مشقت کے لیے فرصت نہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم بہت عقل مند ہیں، حالانکہ دنیا ہی میں موقع ہے کہ اس زندگی کیلیے جدوجہد کر لی جائے۔ ورنہ اگر اب بزی رہے تو پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا۔

دُنیا آخرت کی کھیتی ہے:

کسان اگر بیج بونے کے وقت یوں کہہ دے کہ میں اس وقت بہت بزی ہوں، تو جب کھیتی کٹنے کا وقت آئے گا تو ہاتھ مَلے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ:

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ

(مرقاة المفاتيح: ۱۴۴/۹، كتاب الآداب، باب البر و الصلة، الفصل الثانی، بیروت)

''دُنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔

دُنیا میں رہ کر اگر ہم نے وہ بیج نہ ڈالا جس سے آخرت کی فصل تیار ہوگی بلکہ دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے تو کٹائی کے وقت کی حسرت کا اندازہ لگا لو۔ وہ لوگ جنھوں نے بونے کے وقت محنت کی تھی، آخرت میں انھیں ہری بھری کھیتی تیار ملے گی اور جو بونے کے وقت پڑی ہو گئے وہاں بنجر زمین کے علاوہ کوئی پھل نہ پائیں گے۔کھیتی اس کی ہری بھری ہوتی ہے جو بونے کے وقت محنت کرتا ہے۔

''معیارِ زندگی'' کی حقیقت:

جو لوگ دُنیوی عیش اور دُنیوی ترقیات کو مقصود سمجھتے ہیں، یہ یورپ والے جن کی تقلید میں ہم فخر محسوس کرتے ہیں ان کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝

(الدهر: ۲۷)

دُنیاوی محبت میں مبتلا ہیں یہ لوگ اور چھوڑ بیٹھے ہیں اپنے پیچھے ایک گاڑھے دن کو، گاڑھے دن سے مراد موت کا وقت ہے۔ جس وقت دنیا کی محبت کی حقیقت کھل جاتی ہے اور یہاں کے سارے عیش و آرام تلخ ہو جاتے ہیں، بیوی بچے، بنگلے اور کاریں سب ساتھ چھوڑ دیتی ہیں، یہ وہ وقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں ان کافروں نے اس گاڑھے وقت کو بھلا دیا ہے، یہ بیماری تو کافروں کے اندر تھی۔ اب اُنھوں نے مختلف طریقوں سے اس کو مسلمانوں میں بھی پہنچا دیا۔ اب مسلمان کے پاس بھی جب تک کار نہ ہو، چار سو گز کے پلاٹ کا اِیئر کنڈیشنڈ بنگلہ نہ ہو، چاہے سُودی قرضہ سے کیوں نہ بنوانا پڑے اس وقت تک اس کا معیارِ زندگی نہیں بنتا۔ اب مسلمان کی زندگی کا معیار کار اور بنگلہ رہ گیا ہے، چاہے سُودی قرضہ لینا پڑے، رشوت لینی پڑے، حرام مال کمانا پڑے، کسی سے

دریغ نہیں معیارِ زندگی بنانا ہے۔

لیکن یہ زندگی بننا نہیں ہے۔ زندگی بنتی ہے اللہ کے راضی ہونے سے، اور بگڑتی ہے اللہ کے نارض ہونے سے۔ اگر اللہ ناراض ہے تو چاہے تمھارا دل اور ساری مخلوق یوں کہے کہ واقعی تم نے بڑی ترقی کی، خاندان کی ناک اُونچی کر دی، مخلوق کے مَا شَآءَ اللہ کہنے اور تعریف کرنے سے یہ زندگی نہیں بنتی۔ کل ان وزیرِ خارجہ قسم کے لوگوں کو جو مولویوں کو گولی سے اُڑا دینا چاہتے ہیں، معلوم ہوگا کہ معیارِ زندگی کس کا بلند ہے۔ جس کو یہ معیارِ زندگی سمجھ رہے تھے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور اصل معیار اللہ کے نزدیک کیا ہے؟

''دین کا کام سخت مشکل ہے'':

لوگ کہتے ہیں کہ دین کا کام سخت مشکل ہے، لیکن یہ سب قلتِ محبت کی باتیں ہیں۔ جب محبت ہو جاتی ہے تو جوئے شیر لانا بھی آسان معلوم ہوتا ہے، اسی لیے جنھیں دنیا سے محبت ہے انھیں دنیا کے کام آسان معلوم ہوتے ہیں، انھیں لوگوں کو دین کے کام مشکل ہیں کیونکہ انھیں اللہ سے محبت نہیں۔

قصہ تو پھوہڑ ہے، لیکن عبرت ناک ہے اور غیرت دِلانے کے لیے کافی ہے۔ ایک صاحب عشقِ مجازی میں مبتلا ہو گئے۔ رات کو ۵؍میل جاتے تھے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے پھر بستر پر آ لیٹتے تھے۔ کیوں صاحب! یہ روزانہ دس میل کا سفر کیسے آسان ہو گیا؟ ایک مُردہ لاش جس کے جسم میں کیڑے چلنے والے ہیں اس کی محبت میں ہر مشقت آسان ہو گئی، گھر میں بیٹھا ہوا کوئی کام کر رہا ہے لیکن دل کہیں اور ہے۔ کیا اللہ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے ؏

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود

بات یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت نہیں، ورنہ ان کے راستہ کی کوئی مشکل، مشکل نہ معلوم ہوتی۔ دنیا کے لیے جو ساری مشقتیں آسان ہیں اس کی وجہ دنیا سے محبت ہے اور دین کے کام جو مشکل معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ اللہ تعالیٰ سے قلتِ محبت ہے۔ ایسے ہی جب اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے تو جسم کہیں ہوتا ہے دل کہیں ہوتا ہے۔ بیٹھا ہوتا ہے دفتر میں اور دل ہوتا ہے اللہ والوں کے ساتھ کہ کب

چھوٹوں اور کب جاؤں، اور اپنے اللہ کے ذکر سے اپنے دل کو ٹھنڈا کروں۔ جیسے مچھلی بنا پانی کے بے چینی رہتی ہے، ایسے ہی اس کا دل اللہ کی یاد میں بے چین رہتا ہے۔ "اللہ اللہ" کرنا اسی لیے بتاتے ہیں کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو، محبت ہو جاتی ہے تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔

(خزائنِ معرفت ومحبت: ۵۵۔۵۸)

دین صرف آخرت کا نہیں، دُنیا کی راحت کا بھی ضامن ہے:

مسلمانوں میں کچھ بے وقوف قسم کے لوگوں نے دین کو اُدھار سمجھ رکھا ہے کہ "جو کچھ ملے گا، آخرت میں ملے گا"۔ سب سے بڑا ظلم ہم نے اپنے اُوپر اسی عقیدہ کی وجہ سے کیا ہے، اس لیے ہم دین کے کاموں میں اور سست ہو گئے کہ دین میں لگنے سے دُنیا میں تو کچھ ملے گا نہیں آخرت میں ملے گا، حالانکہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ کچھ اُدھار نہیں ہے، سب نقد ہے۔ یہ عقیدہ اتنا غلط ہے کہ اس نے بندہ اور اللہ کی محبت کے راستے میں گھن لگا دیا، حالانکہ یہ عقیدہ نصوص کے خلاف ہے۔

ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

(النحل: ۹۷)

کیوں صاحب! کہاں اُدھار ہے؟ نقد دے رہے ہیں، دُنیا ہی میں بدلہ دے رہے ہیں کہ دُنیا میں ہم انھیں حیاتِ طیبہ عطا فرمائیں گے۔ پھر فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○

(الرعد: ۲۸)

خوب سمجھ لو کہ دلوں کا سکون ہماری یاد ہی میں ہے۔ اے ایمان والو! ہمیں چھوڑ کر کہاں سکون تلاش کرتے پھرتے ہو؟ ہر گز سکون نہ پاؤ گے۔ اس آیت میں بھی نقد نفع کا وعدہ فرمایا ہے کہ جو ہماری اطاعت کرے گا ہم اس کے دل کو سکون عطا فرما دیں گے۔ اور فرماتے ہیں:

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

(فصلت: ۳۱)

ہم تمھارے دوست ہیں دُنیا کی زندگی میں بھی، تم ہمارے ہو کر تو دیکھو پھر دیکھنا ہم تمھاری کیسی مدد کرتے ہیں۔ جب تمھارا کوئی گاڑھا وقت آئے گا ہم اس وقت اپنی دوستی کا حق اُدا کریں گے، ہم ہر موڑ پر تمھارے کام آئیں گے۔ تم ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ ہمیں چھوڑ کر تم دُنیا کی زندگی میں بھی سکون نہ پاسکو گے۔ (خزائنِ معرفت و محبت: ۲۳۰، ۲۳۱)

تم دین پر قائم رہو، ساری قومیں تمھاری غلام بن جائیں گی:

حضرت (حکیم الامت) نے فرمایا کہ تم شریعت پر چل کر دیکھو، اِنْ شَآءَ اللّٰہُ سب تمھاری عزت کریں گے۔ جس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ جو پکّے مسلمان ہیں، انگریز، ہندو، پارسی وغیرہ سب ان کی عزت کرتے ہیں۔ تم دین پر قائم رہو، ساری قومیں تمھاری غلام بن جائیں گی۔ (آدابِ محبت: ۵۶)

گناہوں میں ملوث رکھنے کے لیے شیطان کا ایک حربہ:

عام دُنیادار لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی لوگ بڑی حسرت میں ہیں، انھیں تو کوئی مزہ ہی حاصل نہیں، یہ تو دُنیا میں بے کار پیدا ہوئے، مولوی لوگ دُنیا کی رنگینیوں سے کنارہ کش ہیں، بڑے گھاٹے میں اور ٹوٹے میں اور خسارے میں ہیں۔ اس پر میرا شعر سنیے ؎

غارتِ گر حیات سمجھتی تھی کائنات
میری نظر میں غم تیرا جانِ حیات ہے

اللہ تعالیٰ کی محبت کو، گناہوں سے بچنے کے غمِ تقویٰ کو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پر تو مُلّائیت سوار ہے، یہ بالکل ہی تباہ و برباد قوم ہے، ہر مزے سے اپنے کو بچائے ہوئے ہے، ہر وقت اللہ کی یاد میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ظالم و بُدھو اور بے وقوف انسان ہیں جیسے ایک جاہل بکری چرانے والا اکبر بادشاہ کا مہمان ہوا۔ ایک مرتبہ اکبر بادشاہ شکار کے دوران اپنے درباریوں اور سپاہیوں سے بچھڑ گیا، ایک دیہاتی نے اس کی مہمان نوازی کی، رخصت ہوتے وقت بادشاہ نے اسے اپنے محل آنے کی دعوت دی۔ کچھ عرصے بعد وہ بادشاہ کے محل میں پہنچ گیا اور کہا کہ میں نے جنگل میں آپ کو دودھ پلایا تھا اور آپ نے اپنی مہمان نوازی کا وعدہ کیا تھا اور یہ آپ کا دستخطی کارڈ میرے پاس ہے تو اکبر بادشاہ نے اس

کے لیے فوراً فیرنی پکوائی؛ باستی چاول پسوائے، خالص دودھ میں پکایا اور کھویا وغیرہ ڈال کر چاندی کا وَرق لگایا۔ چاول سفید، دودھ سفید، دو سفید جمع ہو گئے اور چاندی کا وَرق لگا کر تیسری سفیدی بھی آ گئی۔ اب جب اس دیہاتی نے اسے دیکھا تو چکھنے سے پہلے ہی گالیاں دینا شروع کر دیں کہ کم بخت، بے ہودہ، بے وقوف، بے وفا، غدار مجھ کو بلغم کھلا رہا ہے، اس کی شکل تو بلغم کی طرح ہے۔

تو جن ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو نہیں چکھا، جن محروم جانوں نے اللہ کی راہ کے غم کو نہیں اُٹھایا وہ لوگ اس مزہ کو کیا جانیں؟ اس لیے کہتا ہوں کہ جو صاحبِ تقویٰ ہیں، صاحبِ مولیٰ ہیں ان کے پاس رہ کر دیکھو، اِنْ شَآءَ اللّٰہُ پھر آپ کا علم الیقین، عین الیقین سے بدل جائے گا اور پھر حق الیقین بھی پا جاؤ گے۔ (قلوبِ اولیاء اور نورِ خدا: ۲۵،۲۶)

خدا سے دُوری کا سبب ''اتباعِ نفس'' ہے:

مشائخ نے لکھا ہے کہ انسان نفس سے جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی خدا سے دُور ہوتا ہے۔ انسان نفس سے کیسے قریب ہوتا ہے؟ نفس کی بات ماننے سے۔ نفس نے کہا کہ اس حسین کو دیکھ لو، تو دیکھ لیا، نفس نے کہا کہ جھوٹ بول جھوٹ بول دیا، غرض نفس نے جو گناہ کہا وہ کر لیا۔ (قربِ الٰہی کا اعلیٰ مقام: ۷)

اجتماعی اصلاح، اِنفرادی اصلاح پر موقوف ہے:

اس وقت معاشرہ گناہوں کی کثرت سے بالکل خراب ہو رہا ہے گویا کہ ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ اس آگ کو بجھانے کا طریقہ بعض لوگ کہتے ہیں اجتماعی ہے، لیکن درحقیقت اصلاحِ انفرادی پر اصلاحِ اجتماعی موقوف ہے۔ نارِ نمرود کو ایک اِنفرادی نور نے بُجھا دیا۔ اب اسی زمانہ کی طغیانی اور عصیانی آگ میں اہل اللہ بھی رہتے ہیں اور اس آگ سے مامون و محفوظ ہیں۔

(خزائنِ شریعت و طریقت: ۳۹)

جسم کی سلطنت پر احکامِ اسلامی کا نفاذ:

اس لیے اپنی فکر کرو، دوسروں کی فکر چھوڑو کہ ملک میں کیا ہوتا ہے، فلاں صوبے میں کیا ہوتا

ہے، اپنے صوبے کی فکر کرو۔ تمھیں جو صوبے دیے گئے ہیں ان پر اللہ کے احکام کس حد تک لاگو کیے؟

ہر بندے کو مختلف صوبوں کی حکومت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو سَر سے پَیر تک ایک سلطنت دی ہے، اس میں کان کا صوبہ دیا گیا ہے تا کہ اس کی حفاظت کرو، آنکھوں کا صوبہ آپ کے اختیار میں ہے، کانوں کے صوبے کی فکر کرو، دل کے صوبے میں کیا بغاوت ہو رہی ہے اور زبان آپ کی ملک میں ہے اس کے ذریعے کیا بغاوت پھیل رہی ہے اس کی فکر کرو۔ آپ دوسرے ملک کی فکر کر رہے ہیں، اخبار پڑھ رہے ہیں کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے، لیکن اپنے ملک کی فکر نہیں ہے۔

حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارُالعلوم دیو بند سے پوچھا گیا کہ حضور! حکومتِ اسلامیہ قائم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: مسلمان اپنے جسم کی دو گز زمین پر تو حکومتِ اسلامیہ قائم نہیں کر سکا اور لیڈر بنا پھرتا ہے، اسٹیج پر دَندناتا پھرتا ہے کہ میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں، مگر چہرہ دیکھو! تو شریعت اور سنت کے خلاف ہے، کان سے گانے بجانے سن رہا ہے، زبان سے غیبت ہو رہی ہے، آنکھوں سے بدنگاہی کرتا ہے اور ناچ گانے، سینما، ٹی وی اور فلمیں دیکھتا ہے۔

دو گز کے جسم کی زمین اللہ نے ہر ایک کو دی ہے، اس سلطنت کا ہر آدمی بادشاہ ہے، ہر آدمی اس کا وزیر اعظم ہے، ہر آدمی اس کا باس (Boss) ہے۔ کیا آپ نے اپنی دو گز کی سلطنت میں اسلامی حکومت قائم کر دی؟ کیا آپ کی آنکھیں مسلمان ہو گئیں؟ آپ کے کان مسلمان بن گئے؟ ناک اور زبان اور ہاتھ پیروں پر آپ نے اسلامی قوانین نافذ کر دیے؟ اپنے گالوں اور بالوں پر شریعت کے مطابق احکام نافذ کر دیے؟ عجیب معاملہ ہے جو اپنی سلطنت پر اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکتا وہ اسلامی لیڈر بنا ہوا ہے۔ واہ ہمارے بزرگوں نے کیا جواب دیا ہے!

دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مثالیں:

صدیقِ اکبر جب اسلام لائے تو سب سے پہلے اپنے جسم پر اسلامی قانون نافذ کیا، حضرت علی جب اسلام لائے تو پہلے اپنے دو گز کے جسم پر اسلام نافذ کیا، ہر صحابی جو اسلام لاتا تھا وہ اپنی دو گز کی زمین پر پورا پورا اسلام نافذ کرتا تھا۔ اللہ اس کے صدقے وطفیل میں دوسرے ملکوں کو فتح کرواتا تھا۔

جس ملک میں خود بغاوت مچی ہو وہ دوسرے ملک کو کیا فتح کرے گا؟ صحابہ کو اسی لیے فتوحات ہوتی تھیں کہ وہ اپنی دو گز کی سلطنت پر اسلام کا جھنڈا الہراتے تھے، ان کی آنکھیں بدنگاہی سے محفوظ ہوتی تھیں، ان کے کان گانے بجانے اور ریڈیو سننے سے محفوظ ہوتے تھے، ان کی عورتیں بے پردگی سے محفوظ رہتی تھیں، ان کے تمام احکام سنت کے مطابق ہوتے تھے۔

اور اگر ذرا سا بھی فرق ہو جاتا، صرف دانتوں کی سلطنت پر اسلامی حکم نافذ کرنے میں ذرا سا خلل آ گیا تھا تو فتح رُک گئی تھی، یعنی دانتوں پر مسواک کرنے کی سنت چھوٹ گئی تھی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے۔ سپہ سالار نے خط لکھا کہ حضرت! فتح نہیں ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ذرا غور کرو شاید کوئی سنت چھوٹ رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ مسواک کی سنت چھوٹ رہی تھی۔ بس سب نے راتوں رات درختوں سے مسواک توڑی اور صبح مسواک کرنا شروع کر دی۔ کافروں نے یہ دیکھ کر ہتھیار رکھ دیے کہ یہ لوگ تو دانت تیز کر رہے ہیں، لگتا ہے ہم کو کچا چبا جائیں گے، آج یہ تلواروں کے بجائے دانت تیز کر رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے بجائے گردن اُڑانے کے کچا ہی کھا جائیں گے۔ بس اسی سے ان پر ہیبت طاری ہو گئی۔

شمعیں تو جل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں:

آج کل لوگ یہ کہتے ہیں کہ مُلّا جو حجرے میں بیٹھا ہے، صوفیا جو خانقاہوں میں ہیں یہ اسلامی سلطنت قائم نہیں کر رہے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ پہلے اپنے جسم پر تو اسلامی سلطنت قائم کر لیں۔ میرے دوستو! میں ایک بات بتلا رہا ہوں کہ جو اسلام کا نام لے کر کرسی پر بیٹھ جائیں گے اور اُنھوں نے اپنے جسم پر اللہ والوں سے اسلامی سلطنت قائم کرنا نہیں سیکھا ہو گا تو وہ اسلامی سلطنت کیسی ہو گی؟ رات دن اخبارات میں ان کے اسلامی بیانات آتے رہیں گے، مگر وہ لڑکیوں کے ناچ بھی دیکھیں گے اور لڑکیوں کی کرکٹ بھی دیکھیں گے، لڑکیوں کے گانے بھی سنیں گے اور فنِ موسیقی کو اسلام کے اندر داخل کریں گے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ بزرگوں کی باتیں سن لو! کانوں میں پڑی رہیں گی اور وقت پر کام آئیں گی اِنْ شَآءَ اللہُ۔

قاری طیب صاحب نے کتنی بہترین بات فرمائی ہے کہ پہلے ہر شخص اپنی دو گز کی زمین پر اسلام نافذ کرے۔ جو اہلِ علم منبر پر اسلام کا نام لیں وہ پہلے سَر سے پیَر تک اپنے اُوپر اسلام نافذ کریں اور اگر کسی وجہ سے مغلوب ہورہے ہیں تو کسی اللہ والے کی صحبت میں ایمان اور یقین اور ہمت حاصل کریں، پھر اِنْ شَآءَ اللّٰہُ دیکھو! منبر پر کیا مزہ آتا ہے۔

دل میں لگا کے ان کی لَو کر دے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں

پہلے اپنے دل میں اللہ کے عشق ومحبت کی آگ لگاؤ، پھر دُنیا میں روشنی پیدا کرو، پہلے اپنے دل کا چراغ جلاؤ پھر دوسروں کے دلوں میں چراغ جلاؤ۔ جس کا دل خود اندھیر ہوگا وہ دوسرے کے دلوں میں کیا چراغ جلائے گا؟ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ہم لوگوں کے لیے نصیحت کی ہے، لیڈروں اور منبروں پر بیٹھ کر اسلام نافذ کرنے کا نعرہ لگانے والوں کے لیے خواجہ صاحب نے یہ شعر کہا تھا۔ (حصولِ ہدایت کے طریقے: ۱۵۔۱۷)

قلب پر ''رحمانی حکومت'' اور ''شیطانی حکومت'' کی پہچان:

کافر کا دِل بھی ایک مملکت ہے اور مومن کا دِل بھی ایک مملکت ہے۔ لیکن ایک ''شیطانی مملکت'' ہے، ایک ''رحمانی مملکت'' ہے، پتا کیسے چلے گا؟ جھنڈے سے۔ جس مملکت پر جو جھنڈا ہے وہ مملکت اس کی ہے؛ اگر دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور احکامِ شریعت کی حکومت ہے تو دل کے دارُ الخلافہ پر اللہ کی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا ہے، اس کے برعکس اگر دل پر کفر وطغیان اور نافرمانی کی حکومت ہے تو سمجھ لو کہ دِل پر شیطانی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا ہے جس کا انجام دوزخ ہے۔ (خزائنِ معرفت ومحبت: ۲۲۷)

دین سے دُوری کا ایک اہم سبب ''قلتِ طلب'' ہے:

جس چیز کو ہم اپنے لیے نفع بخش خیال کرتے ہیں اس کے لیے کیسی کیسی محنتیں کرتے ہیں۔ آپ جو یہ کتابیں لیے پھرتے ہیں، تو کیوں؟ اسی لیے تو کہ آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے اَیم اے کرلیا تو زندگی سنور جائے گی، اس لیے دن رات محنت کرتے ہو، دماغ کھپاتے ہو اور جو اس مضمون صنعت کا

ماہر ہے اس کی خدمت میں لگتے ہیں اور اس سے سیکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ کی طلب ہے تو کچھ محنت کرنی پڑے گی، کچھ وقت نکالنا پڑے گا اور دین کو بھی کسی دین والے سے سیکھنا پڑے گا۔

میاں! وجہ یہ ہے کہ دُنیا کی فکر ہے، آخرت کی فکر نہیں۔ اگر یہ فکر پیدا ہو جائے تو خود عقل آ جائے گی کہ آخرت کیسے بنتی ہے، خود تدبیریں سوچو گے، جیسے دنیا کی عقل آ گئی ہے۔ سمندر کسی نے نہ دیکھا ہو لیکن سن لیا ہے کہ سمندر ہے، تو طالب خود تلاش کرتا ہے، اپنے قدم اُٹھا کر بس تک لے گیا، ٹکٹ خریدے گا، بس کا نمبر معلوم کرے گا۔ تو سمندر کے لیے خود اتنی محنت کی، دین کے لیے چاہتے ہیں کہ کچھ محنت نہ کرنی پڑے! حالانکہ دنیا کا حاصل کرنا مشکل ہے، دین کا حصول آسان ہے۔ نماز میں ایک سجدہ کرنے میں کیا محنت کرنی پڑتی ہے؟ ساری زمین مسجد بنا دی گئی کہ جہاں چاہو سجدہ کرو اور سلطنت کا لطف حاصل کرو، یہ سلطنت عام کر دی گئی، لیکن ہم پھر بھی دین کو ''ھَوّا'' سمجھتے ہیں، اور دنیا کے لیے ماہرین فنون کے پاس بھاگے پھرتے ہیں، روزانہ یا ہفتہ یا مہینہ میں کسی دن اللہ کو حاصل کرنے کے لیے کسی اللہ والے کے پاس جانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ (خزائنِ معرفت ومحبت: ۱۶۵، ۱۶۶)

معاشرہ کی اکثریت سے نہیں اللہ سے ڈریں:

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بہت زیادہ ڈرو، مالک کو ناراض مت کرو۔ اکثریت اور میجورٹی مت دیکھو کہ دُنیا میں لوگ اس طرح رہتے ہیں، اس لیے ہم بھی اس طرح رہیں۔ (تعمیرِ وطنِ آخرت: ۳۱)

اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ فرماتے کہ یارسول اللہ! میں آپ کی نبوت تو تسلیم کرتا ہوں، مگر سارا مکہ تو کافر ہے، اتنی بڑی اکثریت کے سامنے میں کیسے اسلام لاؤں؟ تو آج ہم لوگ رَام پرشاد اور رَام نرائن ہوتے، اسلام ہم تک نہ پہنچتا۔ ایک صحابی سارے عالم کو چیلنج کرتا ہے۔ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ سارے عالَم کو چیلنج کرو، ساری دُنیا میں کوئی مومن نہ ہو تو آپ تنہا اللہ پر جان دے دیں۔

ایک صاحب نے ڈاڑھی رکھی تو بہت سے لوگوں نے مذاق اُڑایا، انھوں نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میری ڈاڑھی رکھنے پر بہت لوگ ہنس رہے ہیں۔ حضرت نے لکھا کہ ''لوگوں کو ہنسنے دو، تم کو قیامت کے دن رونا نہیں پڑے گا''۔ آہ! کیا جملہ فرمایا ہے ع

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے

اللہ والوں کی گفتگو میں اللہ نور دیتا ہے۔ اور پھر ایک جملہ اور لکھا کہ آپ لوگوں سے کیوں ڈرتے ہیں؟ آپ بھی تو "لوگ" ہیں "لُگائی" (عورت) تو نہیں۔ کراچی میں ایک نوجوان نے ڈاڑھی رکھ کر مجھ سے کہا: سب ہنس رہے ہیں۔ میں نے کہا: جو ہنسے اسے یہ شعر سنا دو ؎

اے دیکھنے والو! مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو
تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنا دے

(تعمیرِ وطنِ آخرت: ۳۲، ۳۳)

"تم کہاں سے کھاؤ گے؟" ایک شیطانی وسوسہ:

وہ سارے عالَم کے پروردگار ہیں، سارے عالَم کی پرورش کی ذِمہ داری اللہ نے اپنے ذِمہ لی ہے، اور ہم سب اجزائے عالَم ہیں۔ تو جو سارے عالَم کو پال سکتا ہے وہ جزوِ عالَم کو نہیں پال سکتا؟ لہٰذا شیطان کی دھمکی سے مت متاثر ہو کہ "تم کہاں سے کھاؤ گے؟" کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان کی چال میں آ کر رزق کے معاملہ میں تم حرام وحلال کی پروانہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذِمہ رزق نہیں رکھا ہے، ہر جاندار کے رزق کی ذِمہ داری اللہ نے خود لی ہے۔ بس تھوڑا سا سبب تو اختیار کرنا پڑے گا مثلاً دُکان کھولنی پڑے گی لیکن گاہک اللہ بھیجے گا اس لیے ان کو ناراض کر کے نہ رزق کماؤ، نہ کوئی ایسا کام کرو جوان کی ناراضگی کا سبب ہو۔ (فیضانِ حرم: ۱۰، ۱۱)

راہِ حق میں مخلوق کے طعن و تشنیع سے نہیں ڈرنا چاہیے:

شیطان کے حربے مختلف ہیں؛ کبھی یہ گناہوں کی لذت دِکھا کر اللہ سے رشتہ توڑ دیتا ہے، کبھی مخلوق کے طعن و تشنیع کا خوف دِلا کر اللہ سے دُور کر دیتا ہے۔

خوب سمجھ لو! کہ اللہ کے راستہ میں غم جھیلنے اور مصیبت اُٹھانے سے ہی ایمان چمکتا ہے۔ مخلوق اگر طعنہ نہ دے تو ایمان بھی نہ چمکے۔ صحابہ نے طعنے سنے تھے، چوٹیں کھائی تھیں، تلواریں چلائی تھیں، اپنا خون بہایا تھا جب ہی تو ان کا ایمان چمکا تھا، ان کی قربانیوں کی بدولت ہی ایمان کی روشنی ہم تک پہنچی

ہے۔(خزائنِ معرفت ومحبت:۴۵)

بس ان کے طعنوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلو۔ دل کو غم ہوگا، یہی غم کیمیا ہے۔ جس سونے پر زنگ لگ جاتا ہے، اگر وہ آگ کی آنچ برداشت کرلے تو زنگ دُور ہوجائے گا۔ ایمان بھی اس غم کی آنچ سے چمکے گا۔ یہ لوگ جو آج مذاق اُڑا رہے ہیں کل خود ہی نادم ہوں گے۔ ہم گناہگاروں کی کیا ہستی ہے، اللہ کے معصوم نبی کو اس راستہ میں کیسی کیسی اِیذائیں پہنچائی گئی ہیں؛ طائف کے بازار میں اللہ کے محبوب کے اتنے پتھر مارے گئے کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ وہ خون کوئی معمولی خون تھا؟ اللہ کے نزدیک اس خون کا ایک قطرہ زمین وآسمان، عرش وکرسی، لوح وقلم سے زیادہ قیمتی ہے۔(ایضاً:۴۶)

مخلوق کا طعن سننا آسان ہے، گناہوں سے بچنے کا غم اُٹھانا آسان، لیکن سمجھ لو! اس آگ کا تحمل نہ ہوسکے گا۔ یہاں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو قابلِ برداشت ہے، دوزخ کی تکلیف برداشت نہ ہوسکے گی، اس تکلیف سے بچنے کا سامان کرلو ورنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دُعا مانگو کہ ”اے اللہ! مخلوق آپ کے راستہ سے مجھے ہٹا رہی ہے، آپ استقامت کا فیضان میرے اوپر ڈال دیجیے“۔

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ۝

(الاعراف:۱۲۶)

اے اللہ! صبر کا فیضان میرے اُوپر ڈال دیجیے اور مجھے اسلام کی حالت میں موت دیجیے۔ جب کسی کے اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں اس کو بجلی کا شاک دیا جاتا ہے تاکہ قوت پیدا ہوجائے۔ لوگوں سے طعنہ اور اَذیت دِلا کر اللہ تعالیٰ ہمارے دل پر کرنٹ مارتے ہیں کہ ایمان میں حرارت پیدا ہوجائے۔ اسی طرح گناہوں سے بچنے کا جو غم پیدا ہوتا ہے وہ بھی کرنٹ ہے ایمان چمکانے کا۔(ایضاً:۴۷، ۴۸)

مخلوق کے اِستہزاء پر صبر کے معنیٰ:

اگر کوئی تمھارا مذاق اُڑائے تو اس کو سختی اور غصہ سے جواب نہ دو، بلکہ صبر کرو۔ مخلوق کے مذاق اُڑانے سے کبھی نہ گھبرانا چاہیے، تمھیں تو بیٹھے بٹھائے مفت میں عمل مل گیا۔ یہ ایسا عمل ہے کہ جس میں

تمھیں کچھ نہیں کرنا پڑتا اور اَجر مل جاتا ہے۔ دوسرے اعمال میں تو کچھ کرنا پڑتا ہے؛ ذکر کی مشقت کرنی پڑتی ہے، پابندی کرنی پڑتی ہے، لیکن یہ عمل ایسا ہے کہ تم خاموش ہو اور دوسرے مذاق اُڑا رہے ہیں، ستا رہے ہیں۔ وہ ستا رہے ہیں، تم صبر کرو۔ معلوم ہے اس پر کیا انعام اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں؟

اِنِّیۡ جَزَیۡتُہُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا

(المؤمنون: ۱۱۱)

''تحقیق میں نے جزا دی ان لوگوں کو آج کے دن بوجہ ان کے صبر کے''۔

کسی کے مذاق اُڑانے پر صبر کے کیا معنٰی ہیں؟ ''راستہ پر قائم رہنا''۔ ان کا مذاق تمھیں متاثر نہ کرے، بلکہ عزم اور پختہ ہو جائے، ایمان و یقین اور بڑھ جائے اور قدم اللہ کے راستہ سے نہ ہٹیں، یہ صبر ہے۔

دُنیاداروں کو دیکھ کر ''احساسِ کمتری'' کا شکار ہونا:

ان کے مذاق کو سن کر اگر یہ خیال آ گیا کہ ''واقعی ہم گھاٹے میں ہیں''، سمجھ لو کہ یہ اثر قبول کر لینا بہت بڑا گھاٹا اور ایمان کا زوال ہے۔ اس کے معنٰی ہیں کہ تم اس وقت اندھے ہو گئے، ان کا جادو تم پر اثر کر گیا، تمھیں حق و باطل میں تمیز نہ رہی، مقامِ اعلیٰ سے اسفل میں آ گرے، سمجھ لو کہ ایمان کے قلعہ کی بنیاد ہل گئی اگر کچھ یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کار اور بنگلے والے نفع میں ہیں اور ہم گھاٹے میں ہیں۔ جس کے دل میں دُنیاداروں کی بڑائی اور اپنی کمتری کا احساس آ گیا سمجھ لو کہ اس کا سینہ اللہ کی محبت سے خالی ہے، اس کے دل کو اللہ سے تعلق حاصل نہیں۔ اگر سینہ میں اللہ کی محبت ہوتی اور اس کی روح نے خوشئہ غیبی یعنی اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیا ہوتا تو یوں کہتا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم مذاق اُڑا کر مجھے راستہ سے ہٹا دو گے، بھیجہ سے یہ خیال نکال دو، تمھیں کیا معلوم کیا میرے اللہ نے میرے دل کو کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ (خزائنِ معرفت و محبت: ۱۲۲) تجھے کیا معلوم کہ میں اپنے دل میں کیسا بادشاہ رکھتا ہوں۔ (ایضاً: ۱۲۳)

آخر زمانے میں دین پر قائم رہنا کتنا مشکل ہوگا؟

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک زمانہ لوگوں

پر ایسا آئے گا جس میں دین پر صبر کرنے والا شخص اس آدمی کے مانند ہوگا جس نے اپنی مُٹھی میں اَنگارہ لے لیا ہو (یعنی جس طرح اَنگارے کو ہاتھ میں رکھنا دُشوار ہے اِسی طرح دین پر قائم رہنا دُشوار ہوگا)۔

(رواہ الترمذی، کذا فی المشکاۃ، کتاب الرقاق، باب تغیّر الناس، الفصل الثانی)

یعنی فسق اتنا عام ہو جائے گا کہ ہر طرف فُسّاق ہی کا غلبہ نظر آئے گا، پس دینداروں کا دین پر قائم رہنا دُشوار ہوگا بسببِ قلت مددگاروں کے، اور بہت صبر کی ضرورت ہوگی۔

(دُنیا کی حقیقت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں: ۱۶۰، ۱۶۱)

گمراہی کا ایک سبب ''کفار سے دوستی'' اور اس کا انجام ''اِرتداد'' ہے:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے گمراہی کے اسباب میں کہ ''مُضر صحبتوں سے گمراہی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں''، ارشاد فرمایا کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ

(المائدۃ: ۵۱)

یہودی اور عیسائی سے تجارت کر سکتے ہو، لین دین کر سکتے ہو، لیکن ان سے دوستی نہیں کر سکتے، ان کی محبت دل میں نہ ہو۔ اور اگر دل سے محبت کی تو تمھارا ایمان ''اِرتداد'' سے تبدیل ہو جائے گا، تمھارا ایمان سلامت نہ رہے گا۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ایک آم کی شاخ ایک نیم کی شاخ سے متصل ہوگئی تو سارا آم کڑوا ہو گیا۔ تو یہودی و عیسائی کی محبت، ہندو کی محبت، مشرک کی محبت اسی طرح اپنے نفس دُشمن کی محبت ایمان کے لیے مُضر ہے۔ (علاماتِ اہلِ محبت: ۷، ۸)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کرنے کو منع فرمایا ہے، اور اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗ

(المائدۃ: ۵۴)

جس میں مرتدین کا تذکرہ ہے اور یہ دلیل ہے کہ: اِنَّ مُوَالَاۃَ الْیَھُوْدِ وَالنَّصٰرٰی تُوْرِثُ الْاِرْتِدَادِ یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی اِرتداد کا سبب ہے۔

کفار سے معاملات جائز، موالات حرام:

اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے پیش بندی اور روک تھام فرمادی کہ دیکھو! میرے دُشمنوں سے دوستی مت کرنا، ان سے ''معاملات'' جائز لیکن ''موالات'' حرام ہے۔ یعنی اپنے قلب کو ان کے قلب سے قریب نہ کرنا ورنہ ان کے قلب کا کفر تمھارے قلب میں آجائے گا۔ جس تالاب میں مچھلی نہ ہو لیکن کسی مچھلی والے تالاب سے اس کا رابطہ ہو جائے تو ساری مچھلیاں اس میں منتقل ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر یہود و نصاریٰ سے تم نے اپنے دل قریب کیا تو ان کے کفر کی مچھلیاں تمھارے دل کے تالاب میں آجائیں گے۔ لہٰذا تم ان سے معاملات تو کر سکتے ہو، لیکن ان کے ساتھ موالات یعنی محبت و دوستی حرام ہے۔

اور معاملات کیا ہیں؟ تجارتی لین دین، خرید و فروخت وغیرہ۔ آپ فرانس جا کر کافروں سے مال خرید سکتے ہیں، لیکن دل میں ان کی محبت و اِکرام نہ آنے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ دِلی اِکرام کے ساتھ ان کو گڈ مارننگ اور سلام کرلو، ان کی عزت دل میں آئی کہ کفر ہوا:

مَنْ سَلَّمَ الْکَافِرَ تَبْجِیْلًا لَا شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ

(انظر: الدر المختار: ٦٦٦، کتاب الحظر و الاباحۃ، فصل فی البیع، بیروت)

اگر کسی نے کافر کو اِکرام کے ساتھ سلام کرلیا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا، کیونکہ اللہ کے دُشمن کا اِکرام کر رہا ہے۔

ہمارے حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ہندو ڈاکیہ آتا تھا اور جب سلام کرتا تھا کہ مولوی صاحب! آداب عرض۔ تو حضرت فرماتے تھے: ''آ......داب''، اور میرے کان میں فرماتے تھے کہ میں یہ نیت کرتا ہوں کہ آ اور میرا پَیر داب۔ فرمایا کہ یہ اس لیے کرتا ہوں تاکہ کسی کافر کا اکرام لازم نہ آئے۔

کفر سے بغض واجب مگر کافر کی حقارت حرام ہے:

غرض کافر کا اکرام دل میں نہ ہو اور تحقیر بھی نہ ہو، کیونکہ کافر کے کفر سے تو بغض واجب ہے لیکن کافر کی تحقیر حرام ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ کس کا خاتمہ کیسا ہونے والا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کافر کو دیکھو تو یہ پڑھ لیا کرو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ
عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

(سنن الترمذی: ۵/ ۴۳۰ (۳۴۳۱)، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا رأی مبتلی، بیروت)

اس میں آپ تحقیر سے بچ جائیں گے، کیونکہ زبان سے، دِل سے شکر نکل گیا، اور ''شکر اور کِبر'' جمع نہیں ہو سکتے۔ (معارفِ ربانی: ۶۶۔۶۸)

کفار سے دوستی حرام ہونے کی وجہ:

دوستی اور موالات کا مرکز ''قلب'' ہے اور معاملات کا مرکز ''قالب'' ہے۔ جسم سے بات کریں گے کہ یہ لاؤ، وہ لاؤ، لیکن قلب ان کو نہیں دیں گے۔ پس چونکہ موالات کا مرکز قلب ہے اور معاملات کا مرکز قالب ہے، تو اگر قلب صحیح ہے اور کافروں کی موالات سے خالی ہے تو ان کے ساتھ معاملات سے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اگر قلب اللہ والا ہے اور کافر سے مال خرید رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ کافر ہے، دل میں اس کی کوئی محبت نہیں تو اس سے ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے کفار سے معاملات جائز اور موالات حرام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اپنے اسلام اور ایمان کی تم حفاظت چاہتے ہو تو میرے دشمنوں سے محبت مت کرو۔ (معارفِ ربانی: ۹۲)

جب کسی کافر کی کوئی بات بھلی معلوم ہو تو سمجھ لو کہ دل میں بیماری ہے، ایمان (کامل) نہیں ہے۔ باپ کے دُشمن سے دِلی بغض ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسے ہی اللہ کے دشمن سے جانی بغض ہونا چاہیے، چاہے وہ چاند پر جائیں یا مریخ پر۔ کیا ان کا چاند پر پہنچ جانا انھیں اللہ کے عذاب سے بچا لے گا؟ جو اپنے ربّ کو نہ پہچان سکے اگر انھوں نے چاند کو پہچان لیا تو کیا کمال ہے۔

ان کے دعوے ایسے ہیں جیسے ایک گدھے نے پیشاب کیا اس میں ایک تنکا بہنے لگا، ایک مکھی اس پر بیٹھ گئی اور سر ہلا ہلا کر کہنے لگی کہ میں بہت بڑی تیراک ہوں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

صاحبِ تاویل باطل چوں مگس
وہمِ او بولِ خر و تصویرِ خس

چاہے سائنس ہو یا کچھ اور، قرآن و وحی کے سامنے ایسی ہی ہے۔ کافر اَوہام میں مبتلا ہیں، ان کا وہم کیا ہے؟ جیسے گدھے کا پیشاب اور خس کی تصویر۔ اصل علوم تو علومِ نبوت ہیں جو لوگوں کی جانوں کو اللہ سے باخبر کر دیتے ہیں۔ علم کے ساتھ عمل کی توفیق مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے۔ (خزائنِ معرفت و محبت: ۴۴۴)

اسلام کی حقانیت اور سائنس کا بودا پن:

آج کل ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے سائنس کو معبود بنالیا ہے، جو بات سائنس کی حدود میں نہیں آتی اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ انھیں سوچنا چاہیے کہ سائنس تو خود ایک فن ہے، عقل کی پیداوار ہے، مخلوق ہے۔ کیا سائنس نے زمین و آسمان پیدا کیے ہیں؟ اللہ کی پیدا کی ہوئی اشیاء میں کچھ تصرف کر کے ان سے کام لے لیتی ہے۔ ہاں اگر زمین، آسمان یا کوئی جاندار پیدا کر دیتی تو اس کا کمال تھا۔ لیکن نے اس کو قرآن و حدیث سے بھی زیادہ سمجھ لیا ہے، جنھوں نے زمین و آسمان پیدا کیے، چاند سورج پیدا کیے ان کے علم سے بھی زیادہ سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے جو بات سائنس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی، کہتے ہیں کہ یہ بات ''اَن سائنٹفک'' (Unscientific) ہے۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ سائنس کو دین کے مطابق کرتے نہ کہ دین کو سائنس کے مطابق۔

کیونکہ دین کے احکام میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ہوگی اور سائنس کے نظریات روزانہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے نیوٹن کے صدیوں پُرانے نظریے کو اس دَور کے ایک سائنسدان آئن اسٹائن نے غلط ثابت کر دیا۔ اگر سائنس کے زور پر چاند پر پہنچ گئے، تو چاند کا پیدا کرنا مشکل ہے یا چاند پر پہنچ جانا مشکل ہے؟ اس لیے اگر کہیں سائنس کا اور دین کا ٹکراؤ ہوتا معلوم ہو تو

سائنس کو چھوڑ دو اور دین کو تھامے رہو کہ وہ اللہ کا علم ہے۔ حالانکہ اگر عقلِ سلیم ہو تو سائنس کی ایجادات سے اسلام کی حقانیت اور ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے۔ آدمی اپنی عقل سے تو ایسے کرشمے کر سکتا ہے کہ چاند پر پہنچ جائے اور نبی کو اللہ یہ معجزہ نہیں دے سکتا کہ وہ چاند کے ٹکڑے کر دے؟ اب نبی کے معجزوں کا انکار کرنے والے آئیں اور جواب دیں کہ تمھیں تو اتنی قدرت ہو سکتی ہے، کیا اللہ کو اتنی قدرت بھی نہیں کہ رسول کے ہاتھ پر معجزے دِکھلا دے؟ بس جہاں سائنس فیل ہوتی ہے وہاں قرآن و وحی فیل نہیں ہوتے، ہم وہی دیکھیں جو وحی دیکھتی ہے، سائنس چاہے خاموش ہو یا انکار کرے، تب تو ایمان ہے ورنہ ایمان سے ہاتھ دھولو۔

جب آدمی کسی چیز سے حد سے زیادہ مرعوب ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ علماء کو چاہیے کہ سائنس کے مطابق دین کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حالانکہ دین اگر ایسا سستا ہوتا تو اب تک پرخچے اُڑ چکے ہوتے۔ جیسے سائنسدانوں نے اندازہ لگایا تھا کہ ڈھاکہ میں اکثر ۲۰۰ رمیل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آتا ہے، لہٰذا اگر ۳۰۰ رمیل فی گھنٹہ کی رفتار کو سہ جانے والا بند باندھ دیا جائے تو نہ ٹوٹے گا۔ اگلے سال ۴۰۰ رمیل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آیا اور سارے بندوں کے پرخچے اُڑا دیے۔ ہے کوئی سائنس والا جو ہواؤں کی رفتار پر پابندی لگا دے؟ شرقی ہوا کو غربی کر دے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝

(الجاثیۃ: ۵)

عقلمندوں کے لیے ہواؤں کی رفتار میں نشانیاں ہیں کہ ابھی شرقی ہوا چل رہی ہے، ایک منٹ نہیں لگا کہ غربی ہو گئی۔ پورے کرۂ ہوا کو ایک منٹ میں تبدیل کر دیتے ہیں، یہ پورے کرۂ ہوا کو ایک لمحے میں کس نے تبدیل کر دیا؟ ہے کوئی سائنسدان جو ہواؤں میں تصرف کر سکے؟

انگریزی پڑھیے، انگریز نہ بنیے:

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں سائنس پڑھنے کو حرام بتلا رہا ہوں۔ سائنس پڑھنا حرام نہیں ہے، ذہن کو کافر بنا لینا حرام ہے۔ انگریزی پڑھنا حرام نہیں ہے، انگریز بننا حرام ہے۔ ہم انگریزی

پڑھنے کو منع نہیں کرتے، انگریز بننے کو منع کرتے ہیں۔ انگریزی خوب پڑھو، لیکن اپنے کلچر کو فنا مت کرو۔ گاندھی کو دیکھ لو کہ لندن کی سڑکوں پر لنگوٹی باندھ کر چلتا تھا، کہتا تھا کہ اگر میں انگریزوں کا کلچر اَپناؤں گا تو میرا کلچر فنا ہو جائے گا۔

افسوس! ایک کافر کو اتنی عقل آ گئی، ایک باطل مذہب کے پیرو کو ایسی سمجھ آ جائے اور ہمیں اپنے سچے مذہب پر ایمان نہ آئے۔ گاندھی تو جہنم میں جلے گا، ہم اگر مذہب پر چلیں گے تو جنت ملے گی، لیکن اس کے باوجود ہم انگریزوں کے کلچر میں فنا ہو رہے ہیں۔ ہمیں تو اپنی اسلامی تہذیب کو اَپنانا چاہیے تھا، لیکن ہم نے انگریزوں کی تہذیب کو اپنی تہذیب پر فوقیت دے دی۔ ہم بس اسی ذہنیت کو حرام بتاتے ہیں، ورنہ اگر صرف انگریزی پڑھتے تو کیا بات تھی۔ (خزائنِ معرفت ومحبت: ۲۳۷۔۲۳۹)

تہذیبِ اسلامی کی بقا میں ہی عزت ہے:

جو قوم اپنی تہذیب اور کلچر کو فنا کرتی ہے وہ دوسری قوموں کی نظر میں ذلیل ہو جاتی ہے کہ اس نے اپنی تہذیب کو حقیر سمجھا۔ جب اس نے اپنی تہذیب کو حقیر سمجھا دوسری قوم اس کو حقیر سمجھنے لگتی ہے، اور جو قوم اپنی تہذیب کو برقرار رکھتی ہے دوسری قوم کی نظر میں اس کی عزت ہوتی ہے۔ اپنے کلچر کو فنا کرنا کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔

مدینہ میں ایک عالم نے یوں کہہ دیا کہ انگریزوں کے یہاں یہ بات اچھی ہے کہ دوسری دفعہ صحبت کرنے میں غسلِ جنابت نہیں کرنا پڑتا۔ بس اللہ کو یہ بات ناپسند آئی کہ کافروں کے طریقہ کو ہمارے رسول ﷺ کے طریقہ پر ترجیح دے رہا ہے۔ جب اس شخص کا انتقال ہوا تو مدینہ میں اس کو دفن کر دیا گیا، مگر مدینہ سے لاش اسپین (ملک ہسپانیہ) منتقل ہو گئی اور اسپین میں ایک لڑکی مسلمان ہو گئی تھی اور وہیں دفن ہوئی تھی اس کی لاش مدینہ میں اس عالم کی قبر میں پہنچ گئی۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

(صحيح البخاري: ۳۹/۸، كتاب الادب، باب علامة حبّ الله عزوجل، بيروت)

جو شخص جس کو پسند کرے گا اسی کے ساتھ ہوگا۔

آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے اس شخص کی جس کے دل میں اللہ و رسول کی عظمت نہیں ہوتی۔ اور فرمانبرداروں کو دنیا میں بھی نقد نفع دیتے ہیں اور سکون اور اطمینان کی زندگی کا ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔ اسلام دنیا کی ترقی سے منع نہیں کرتا۔ خوب کماؤ، لیکن اللہ کو نہ بھولو۔.....

آج اگر دین پر عمل کرنے کی ہمت نہیں ہورہی، رفتہ رفتہ شروع کرو۔ یہ مطلب نہیں کہ آج ہی انگریزی لباس چھوڑ دو، آج ہی ڈاڑھی رکھ لو۔ لیکن ان باتوں کو دل سے بُرا جانو اور رفتہ رفتہ چھوڑنے کی کوشش کرو، کسی اللہ والے سے تعلق کرلو، پھر جس طرح وہ کہے اس پر عمل کرتے رہو، اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ایک دن ہمت پیدا ہو جائے گی۔ (خزائنِ معرفت ومحبت: ۲۴۰، ۲۴۱)

''بدنظری'' کے گناہ کا اِبتلائے عام (اِزالۂ شبہ):

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آپ ہر وقت حسینوں سے نظر بچانے کی باتیں کرتے ہیں، کیا دُنیا میں اور گناہ نہیں ہورہے ہیں؟

تو چونکہ ''بدنظری'' کی بیماری عام ہورہی ہے، بدنظری کا کالرا یعنی ہیضہ پھیلا ہوا ہے اس لیے زُکام کا تذکرہ نہیں کیا جارہا۔ جب کالرا پھیل جاتا ہے تو کالرا کا اِنجیکشن لگایا جاتا ہے زُکام کا جوشاندہ نہیں پلایا جاتا، کیونکہ زُکام کا مریض چھ مہینے چل سکتا ہے لیکن کالرا میں تو آناً فاناً مَر جاتا ہے۔ اس لیے بدنظری کے مرض اور اس کے علاج کا زیادہ تذکرہ کرتا ہوں۔

ہر گناہ سے بچنا تقویٰ میں داخل ہے:

مگر اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ بس حسینوں سے بچ گئے پھر وی سی آر، ٹیلی ویژن دیکھو اور مُووی بناؤ اور جہاں فوٹو کشی ہورہی ہو، گانے بجانے ہورہے ہوں یا مرد وعورت کا اِختلاط ہو، پردہ کا اہتمام نہ ہو تو خاندان کی ان ناجائز رُسومات میں جا کر شرکت کرو۔ اللہ کی تمام نافرمانیوں کو چھوڑنا سب فرار میں داخل ہے فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ (الذّٰریٰت: ۵۰) کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ صرف حسینوں سے بھاگو بلکہ اللہ کی ہر نافرمانی سے بھاگو؛ سُودی نظام، سُودی کاروبار، سُودی ملازمتیں ان سے بھاگنا اور حلال تلاش کرنا اور رات دن اللہ سے رونا اور جب حلال مل جائے تو ان سُودی کاموں کو فوراً طلاق مغلظہ دے دینا

یہ سب فرار میں داخل ہے۔ خاندان کی اس شادی بیاہ یا دیگر رُسومات میں شرکت نہ کرنا جہاں فوٹو کھینچ رہے ہوں اور مُووی بن رہی ہو، اللہ کے فرامینِ عالیہ کو پاش پاش کیا جارہا ہو اور عورتیں اور مرد مخلوط ہو کر دعوتِ ولیمہ کھا رہے ہو، یہ ''ولیمہ'' نہیں ہے ''مُولَمَہُ'' ہے یعنی قابلِ ملامت کام ہے۔......

تو تمام نافرمانیوں سے بھاگنا فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ میں داخل ہے، ہر وہ فعل، ہر وہ خیال جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں سب فرار میں داخل ہے۔ (لذتِ رشکِ کائنات:۱۱،۱۲)

ہر شخص کی ایک ہی خواہش:

ہر شخص دُنیا میں ''اِطمینان اور چین'' چاہتا ہے، کوئی ایسا انسان دنیا میں نہیں جو یہ چاہتا ہو کہ میں پریشان رہوں۔......سو فیصد بین الاقوامی، اِنٹرنیشنل چیز ہے۔ کافر بھی یہ چاہتا ہے کہ میرے دل کو چین ملے، غریب بھی یہی چاہتا ہے، اور اُمیر بھی یہی چاہتا ہے، کوئی انسان ایسا نہیں بشرطیکہ اس کا دماغ صحیح ہو جو بے چینی چاہتا ہو۔ رعایا بھی یہی چاہتی ہے، بادشاہ بھی یہی چاہتا ہے، عالم بھی یہی چاہتا ہے، غیر عالم بھی یہی چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے پریشانی میں بڑا مزہ آتا ہے تو آپ اس کو ڈاکٹر صاحب کے ہاں لے جائیں گے کہ بھئی اس کے دماغ کا علاج کرو۔

تو اللہ تعالیٰ نے بین الاقوامی ضرورت کی چیز بتلا دی کہ اے انسانو! میں تمھارے دل کا پیدا کرنے والا ہوں اور مجھ سے بہتر تمھارے دل کے چین کا تیل کوئی نہیں جان سکتا۔ جیسے سنگر (Singer) مشین والے کہتے ہیں کہ اگر مشین میں ہمارا بنایا ہوا تیل استعمال کرو گے تو اس مشین کی ضمانت اور حفاظت کے ہم ذِمہ دار ہیں اور دوسری کمپنی کا تیل ڈالو گے تو ہم ذِمہ دار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اعلان فرمادیا کہ اگر ہماری یاد کا تیل دل میں ڈالو گے تو تمھارے دل کے چین کی ضمانت اور کفالت مَیں کروں گا اور اگر تم نے مجھ کو چھوڑ کر کسی اور دل سے لگایا، سینما، وی سی آر، فلمی گانے سنے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نقطۂ آغاز (Zero Point) اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نقطۂ آغاز ہے۔ یعنی ابھی گناہ کیا نہیں، صرف ارادہ کیا، اُسکیم بنا رہا ہے کہ آج کوئی گناہ کا مزہ لیا جائے، اِرادہ کرتے ہی اس کے دِل کی دُنیا اُجڑ جاتی ہے۔ (ذِکر اللہ اور اطمینانِ قلب:۷،۸)

انسان کے ہر عمل کا مقصد حصولِ ''سکون'' ہے:

دُنیا میں جتنی حرکت اور جتنا عمل اور جو کچھ بھاگ دوڑ اور محنت ہو رہی ہے؛ چاہے وہ دُکان کھولنے کی ہو، یا فیکٹری قائم کرنے کی ہو، یا وزارتِ عظمیٰ کی کرسیوں کی ہو، یا دُکانداری کا کوئی سلسلہ ہو، جو شخص جہاں جا رہا ہے اور جو شخص جہاں نہیں جا رہا ہے، جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ نہیں کر رہا ہے، جو کھا رہا ہے، جو نہیں کھا رہا ہے غرض دنیا میں جتنے افعال اور اعمال ہیں سب کا مقصد ''اِطمینان اور دِل کے چین کا حصول'' ہے۔

مثلاً ایک شخص اِیئر کنڈیشن میں بیٹھا ہے وہ کہیں نہیں جا رہا ہے، اُس کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت شدید گرمی ہے، لُو چل رہی ہے، سڑکوں پر دھوپ ہے لہٰذا یہاں چین ملے گا۔ ایک شخص صبح فجر کے بعد باغات میں ٹھنڈی ہوا اور آکسیجن حاصل کرنے کے لیے بھاگا جا رہا ہے، اُس وقت اس کو یہ ضرورت ہے کہ قدرتی ہوا لینی چاہیے تاکہ میں صحت مند اور اطمینان سے رہوں۔ ایک بہت بڑے عالم کا قول ہے کہ صبح کی ہوا، لاکھ روپے کی دوا۔ غرض یہ کہ کوئی حرکت، کوئی سکون، کوئی قول، کوئی فعل جو کچھ بھی انسان صبح سے لے کر رات کو سونے کے وقت تک کرتا ہے، یہاں تک کہ جو سو بھی رہا ہے تو ان سب کا مقصد دِل کا چین اور قلب کا سکون ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (سکونِ قلب کی بے مثال نعمت: ۶، ۷)

دِل کا سکون کیسے حاصل ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

(الرعد: ۲۸)

صرف اللہ کی یاد ہی سے تم کو چین ملے گا۔ اللہ کی یاد کی مثال قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں دیتے ہیں کہ جیسے مچھلی پانی میں ہوتی ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ میں جو ''با'' ہے یہ ''با'' معنیٰ میں مصاحبت کے نہیں کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ چین ملتا ہے، بلکہ ''با'' معنیٰ ''فی'' ہے، كَمَا اَنَّ السَّمَكَةَ تَطْمَئِنُّ فِى الْمَاءِ۔ جیسے مچھلی جب پانی میں ڈوب جاتی ہے کہ اُوپر نیچے دائیں بائیں

سب پانی ہو تب اس کو چین ملتا ہے۔ اگر مچھلی کا صرف ایک اِنچ سَر پانی سے کھلا رہ جائے تو چین نہیں پائے گی۔

لہٰذا دوستو! جب ہم اللہ کی یاد میں ڈوب جائیں گے؛ جب آنکھیں بھی ذاکر ہوں، کان بھی ذاکر ہوں، جسم کا کوئی عضو نافرمانی میں مبتلا نہ ہو تو سمجھ لو کہ ذکر میں ڈوب گئے، اب دل کو اطمینان کامل نصیب ہوگا۔ لیکن اگر آنکھیں بدنظری میں مبتلا ہیں تو اللہ کے قرب کے دریا سے خارج ہیں۔ ایک گناہ دل کو بے چین کر دے گا۔ تجربہ کی بات کہتا ہوں کہ جیسے اہلِ یورپ، سوئٹزرلینڈ وغیرہ واٹر پروف گھڑیاں بناتے ہیں، چاروں طرف پانی ہوتا ہے مگر گھڑی میں ایک قطرہ پانی بھی نہیں گھستا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنے ذاکرین کے دل کو پریشانی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

مگر ذاکرین سے مراد ''ذکرِ مثبت اور ذکرِ منفی'' والے ہیں، یعنی جو اللہ کے احکام کی تعمیل بھی کرتے ہیں اور گناہ سے بھی بچتے ہوں، دونوں ضروری ہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے، مگر گناہ سے بچنا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے۔ (ذکر اللہ اور اطمینانِ قلب: ۳۰، ۳۱)

حقِ رُبوبیت اور تقاضائے بندگی:

خدائے تعالیٰ کو ناراض نہ کرنا حق تعالیٰ کی پرورش اور احسان کا بھی تقاضا ہے اور شرافتِ بندگی کا بھی تقاضا ہے کہ اپنے پالنے والے کو ناراض کر کے ہم حرام لذتوں کو اپنے قلب میں نہ لائیں۔ اور یہ حقیقت وہ ہے کہ لائق بچے بھی جس پر عمل پیرا ہیں، کہ محلّہ کا کوئی لڑکا اگر کہتا ہے کہ چلو آج سینما دیکھیں، تو شریف بچہ کہتا ہے کہ نہیں! ابّا ناراض ہو جائیں گے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ آج اَبو کی فکر چھوڑو، ابّا کو ناراض ہونے دو۔ تو جو لائق بیٹا ہوتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ: ابّا نے ہمیں پالا ہے، ہم تمھارے مشورہ پر عمل کر کے اپنے پالنے والے کو ناراض نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ''ربّ العالمین'' ہیں، سارے عالَم کو پال رہے ہیں وہ اِس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم ان کو ایک لمحہ کیلیے ناراض نہ کریں۔ (فیضانِ حرم: ۱۰، ۱۱)

تقویٰ کس چیز کا نام ہے؟

اور ''تقویٰ'' کیا چیز ہے؟ اللہ پاک کے حقوق کو بجالانا، ان کی نافرمانی سے بچنا اور دِل کے

بُرے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ گناہ کرنے کا دل میں تقاضا ہی نہ پیدا ہو، تو اس کا نام تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ اس کا نام ہے کہ دل میں بُرے تقاضے آئیں اور ان کا مقابلہ کرے، ان تقاضوں کو برداشت کرے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرے، اپنی خوشی کو اللہ تعالیٰ کی خوشی پر فدا کردے۔ اسی کا نام ''ایمان'' اور اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے۔ اب اس سے زیادہ میں کیا آسان بات بتا سکتا ہوں۔

ہماری جو خوشی اللہ کی خوشی اور مرضی کے خلاف نہ ہو، اس خوشی کا مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مرنڈا پینے کو دل چاہ رہا ہے تو مرنڈا پی لو، مرغی کھانے کو دل چاہ رہا ہے تو مرغی کھالو، شامی کباب کو دل چاہ رہا ہے شامی کباب کھالو، ہر حلال چیز کھاؤ، لیکن ہماری جو خوشی اللہ تعالیٰ کی خوشی سے ٹکرائے اس خوشی سے اپنے نفس کو مت خوش کرو۔ اپنے نفس اور دل کی جو خوشی اللہ تعالیٰ کی خوشی کے خلاف ہو اس خوشی کو اللہ کی خوشی پر قربان کرنے کا نام ''تقویٰ'' ہے، اور یہی ''اللہ تعالیٰ کی دوستی'' ہے، اسی کا نام ''ولایت'' ہے، یہی لوگ ''اللہ کے ولی'' ہیں۔ کوئی وظیفہ دنیا میں ایسا نہیں ہے کہ جس سے گناہ کے تقاضے پیدا ہی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا ہے، ہم کوئی فرشتے تھوڑا ہی ہیں۔

(کرامتِ تقویٰ: ۳۵، ۳۶)

''متقی'' وہ شخص ہے جو گناہ سے اپنے کو بچائے، اپنی نظر کو بچائے عورتوں سے حسینوں سے، اپنے کو جھوٹ سے بچائے، رشوت سے بچائے، ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی و بدتمیزی سے بچے، بیوی پر ظلم وزیادتی کرنے سے بچے، پڑوسیوں کے حقوق میں ظلم کرنے سے بچے، ہر وقت جائز اور ناجائز پر عمل کرے اور پچھتائے بھی نہیں کہ ''کیا کہیں! اسلام عجیب مذہب ہے کہ ہمیں ہر وقت جائز ناجائز کی مصیبت میں ڈال دیا''۔

اسلام مصیبت میں نہیں ڈالتا، مصیبت سے بچاتا ہے:

ارے ظالم! مصیبت میں نہیں ڈالا، اسلام نے مصیبت سے بچالیا، ورنہ اگر کھلے سانڈ کی طرح ہر کھیت میں منہ ڈالتا تو اتنی لاٹھیاں پاتا کہ جینا حرام ہوجاتا۔ ذرا دیہات میں جا کر دیکھ! جو سانڈ

ہر کھیت میں منہ ڈالتا ہے اس پر اتنی لاٹھیاں برستی ہیں کہ پیٹھ میں ایک اِنچ جگہ نہیں رہتی کہ سلامت ہو، اور جب بیمار ہوتا ہے تو اس کا کوئی علاج کرنے والا نہیں ہوتا، جب مَر جاتا ہے تو کوئی دفن کرنے والا نہیں ہوتا، چیل کوّے کھا جاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کے قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اس کی زندگی بھی ایسی لعنتی اور بے کسی کی ہوتی ہے۔ (حیاتِ تقویٰ:۱۳،۱۴)

نفس دوزخ کی برانچ ہے؛ جو کچھ برانچ میں جمع کیا جاتا ہے وہ ہیڈ آفس میں جمع ہو جاتا ہے، جو مزاج ہیڈ آفس کا ہوتا ہے وہی برانچ کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو گناہ و نافرمانی نہیں چھوڑتا اس کے دل میں دوزخ کی خاصیت یعنی بے چینی اور پریشانی شروع ہو جاتی ہے، اور دوزخ کا مزاج ہے:

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى

(الاعلیٰ:۱۳)

دوزخی کو نہ موت آئے گی، نہ زندگی ملے گی۔ (لازوال سلطنت:۱۷)

''تقویٰ'' نام ہے اس کا کہ گناہ کا تقاضا پیدا ہو اور پھر اس پر خدا کے خوف سے عمل نہ کرے اور اس میں جو غم ہو اس کو برداشت کرے اور اس غم پر پچھتاوا بھی نہ ہو کہ ''آہ! میں نے کیوں تقویٰ اختیار کیا؟ کاش! ایک نظر دیکھ لیتا''۔ یہ پچھتاوا اور حسرت جب تک ہے سمجھ لو کہ شیطان اس کی حجامت بنا رہا ہے، ابھی اس کا دل کچا ہے، ایمان خام ہے۔ ایمان کامل جب ہوگا کہ گناہ سے اپنے کو بچا کر، اس کا غم اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، خوشی سے مست ہو جائے۔ (حیاتِ تقویٰ:۱۳،۱۴)

اطاعت اور نافرمانی کی خاصیتوں کا فرق:

اللہ کی نافرمانی کا خاصّہ ''بے سکونی اور پریشانی'' ہے، اور اللہ کی فرمانبرداری کا خاصّہ ''سکون اور اطمینان'' ہے۔ جو چیز مرکز سے قریب ہوتی ہے پُرسکون ہوتی ہے، مرکز سے دُور ہو جائے تو سکون چِھن جاتا ہے۔ بتاؤ! مچھلی کا مرکز کیا ہے؟ پانی ہے۔ پانی میں اس کو سکون ملتا ہے یا نہیں؟ اگر سمندر میں طوفان آیا ہو تو مچھلی کبھی شکایت کرتی ہے کہ آج کل سمندر میں طوفان آیا ہوا ہے ہمیں یہاں سے نکال کر ڈھاکہ کی شاہی مسجد یا لال باغ کے مدرسے میں داخلہ دے دو؟ کتنا ہی طوفان ہو، لیکن مچھلی کا مرکز چونکہ

پانی ہے اس لیے وہ پانی ہی میں رہنا چاہے گی۔

ایسے ہی ہماری رُوح کا مرکز ''اللہ'' ہے، ہم اللہ سے قریب رہیں گے تو بلاؤں کا احساس بھی نہیں ہوگا اِنْ شَآءَ اللہُ ، کیونکہ ہم مرکز سے وابستہ ہیں۔ (قربِ الٰہی کا اعلیٰ مقام: ۱۵)

دل کے چین سے پورے عالَم کا چین نظر آئے گا:

اللہ کے نام سے جب دل کو چین ملتا ہے تو پوری دنیا میں اسے چین نظر آتا ہے۔ یہ نظر تابع ہے دل کے؛ جب دل میں چین ہوگا تو اس کو ہر طرف چین نظر آئے گا، اور جب دل پریشان ہوگا تو ہر طرف اس کو پریشانی نظر آئے گی، کیونکہ بصارت تابع ہے بصیرت کے......؂

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہو گیا عالَم بیاباں ہو گیا

جو اللہ کو ناراض کرتا ہے اس کا دل ویران کر دیا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خالقِ گلستان ہیں، خالقِ بہار ہیں، ان کو ناراض کر کے کہاں سے بہار پاؤ گے؟......دوستو! دونوں جہان میں اگر چین اور آرام سے رہنا چاہتے ہو تو دونوں جہان کے پیدا کرنے والے کو راضی اور خوش کرلو، دُنیا میں چین سے رہنے کی اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔ (اللہ کے باوفا بندے: ۱۶، ۱۷، وآفتابِ نسبتِ مع اللہ: ۲۳۰، ۲۳۱)

گنہگاروں اور اللہ والوں کی پریشانی میں کیا فرق ہے؟

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پریشانی گنہگاروں کو بھی آتی ہے اور اللہ والوں کو بھی آتی ہے، لیکن دونوں کی پریشانیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

دُنیادار پر جب پریشانی آتی ہے تو وہ بدحواس ہو جاتا ہے، ہوش و حواس کھو دیتا ہے، پاگلوں کی طرح اللہ سے شکایت کرنے لگتا ہے اور اس کو بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اور اللہ والے کو بھی پریشانی آتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرنے کے لیے، اس کے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے پریشانی بھیجتے ہیں، مگر تسلیم و رضا کی برکت سے اس کے دِل میں ٹھنڈک رہتی ہے بلکہ اس کو ہر وقت ایک نئی جان عطا ہوتی ہے۔

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

جو اللہ کی مرضی پر راضی رہتے ہیں ان کو ہر وقت ایک نئی جان عطا ہوتی ہے، اور ایک جان نہیں سینکڑوں جانیں عطا ہوتی رہتی ہیں۔ (اصلی پیر کی پہچان: ۱۱)

’’غم پروف دِل‘‘، مگر کیسے؟

آپ کہیں گے کہ اگر ایک شخص غم و پریشانی میں مبتلا ہے تو اللہ کی یاد سے کیسے چین نصیب ہو گا؟ میں یہی عرض کرتا ہوں کہ اہلِ مغرب، اہلِ یورپ، سوئٹزر لینڈ وغیرہ اگر واٹر پروف گھڑی بنا سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کے دل کو غم پروف رکھ سکتے ہیں۔ ہزاروں غم ہوں گے لیکن دل میں غم نہیں گھسے گا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ان کے غم کو بھی لذیذ کر دیتا ہے۔ جیسے شامی کباب مرچ والا کھا کر رو رہا ہے یا نہیں؟ لیکن ذرا اس سے پوچھو کہ بھائی! آپ شامی کباب کھاتے وقت کیوں رو رہے ہیں؟ اگر آپ کو تکلیف ہے تو یہ کباب ہم کو دے دیجیے۔ تو وہ کیا کہے گا: ارے بے وقوف! یہ آنسو مزے کے ہیں، تکلیف کے نہیں ہیں۔ تو اللہ والا روتا ہوا بھی نظر آئے تو تسلیم و رضا کی لذت سے، اس سے پوچھو کہ اس کے قلب کا کیا عالَم ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ غم و پریشانی میں کیسے چین ملے گا؟ اس پر میرا ایک شعر اس کی تعبیر کرتا ہے...... ؎

صدمہ و غم میں مرے دل کے تبسم کی مثال
جیسے غنچہ گھرے خاروں میں چٹک لیتا ہے

چاروں طرف کانٹے ہیں لیکن غنچہ ان کانٹوں کے درمیان کھل جاتا ہے یا نہیں؟ نسیمِ صبح آتی ہے اور کلیوں کو کانٹوں کے درمیان کھلا دیتی ہے اور پھول کھل جاتا ہے۔ تو نسیمِ صبح میں تو یہ اثر ہو اور اللہ کی رحمت کی جو ہوائیں اللہ کے عاشقوں پر برستی ہیں ان میں یہ طاقت نہ ہوگی کہ غموں میں ان کا دل اللہ خوش رکھے؟ (ذکر اللہ اور اطمینانِ قلب: ۳۳۔۳۵)

وَاللہ! چین اور سکون نہ قالینوں میں ہے، نہ اِیئر کنڈیشنوں میں ہے، نہ بریانیوں میں ہے، نہ پونڈ کی گڈیوں میں ہے، نہ وزارتِ عظمیٰ کی کرسیوں میں ہے، نہ سلاطین کے تخت و تاج میں ہے۔ اگر چین ہے تو ''اللہ'' کے نام میں ہے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

اور میں نے اِیئر کنڈیشنوں میں خُودکشی کرتے ہوئے پایا ہے، کروڑوں روپیہ والوں کو خُودکشی کرتے ہوئے پایا ہے۔ لیکن کسی اللہ کے ولی سے آج تک خُودکشی ثابت نہیں، یہ دلیل کیا معمولی ہے؟ اللہ کی رحمت کا سایہ اللہ والوں پر رہتا ہے، کچھ بھی ہو ان کا دِل غم پروف رہتا ہے۔ (ایضاً: ۳۷، ۳۸)

مصائب و مشکلات سے محفوظ رہنے کا طریقہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک منکرِ خدا نے کہا کہ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں اسلام قبول کرلوں گا۔ فرمایا: دریافت کرو، مگر میں خدا سے معلوم کرکے بتاؤں گا۔ کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے مقابل پر مسلسل تیر کی بارش کر رہا ہو تو اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے معلوم کیا، ارشاد ہوا کہ:

''اے عیسیٰ! آپ جواب دے دیں کہ تیر چلانے والے کے پاس آکر کھڑا ہو جائے، تو پھر اس کے تیروں سے محفوظ ہو جائے گا''۔ یہ جواب سنتے ہی وہ حیران ہو گیا اور اس نے تصدیق کی کہ بے شک آپ سچے نبی ہیں۔ مثنوی شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

اس سے یہ سبق ملا کہ جب مصائب کے تیر خدا کی طرف سے آتے ہیں تو مصائب سے محفوظ رہنے کی صورت یہی ہے کہ خدائے پاک سے قریب ہو جاؤ اور ان سے تعلق پیدا کرو ؎

بلائیں تیر اور فلک کمان ہے چلانے والا شہنشاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اَماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں

(باتیں اُن کی یاد رہیں گی: ۲۴۶)

پیغمبر علیہ السلام ہمیں اس ذات سے جوڑتے ہیں اور اس پر نظر کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں جہاں سے مصائب آتے ہیں، اور سائنس دان مصائب پر نظر رکھتے ہیں لیکن اس سے مصیبت رفع نہیں ہوتی۔ (سفرنامہ رنگون وڈھاکہ: ۲۲۹، ۲۳۰)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجیے، مگر بہت مختصر سی نصیحت۔ تو آپ نے فرمایا:

اِعْمَلْ لِلدُّنْیَا بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِیْهَا

وَاعْمَلْ لِلْآخِرَةِ بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِیْهَا

(حیاة الحیوان الکبریٰ للدمیری: ۲/۷٤، دارالبشائر دمشق)

’’دُنیا کے لیے اتنی محنت کرو جتنا دُنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنی محنت کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے‘‘۔ اور سب کو معلوم ہے کہ دُنیا سے جانے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا، آخرت میں ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے اتنی ہی عظیم الشان محنت کرو اور دُنیا کا قیام عارضی ہے یہاں کے لیے زیادہ محنت کرنا بے وقوفی ہے۔ یہ کیسی جامع نصیحت ہے، بس اِس کو یاد کرلو اور دِل میں بٹھالو۔ (اصلی پیری مریدی کیا ہے؟: ۲۸) میرے تین جملے سن لیجیے!

جس دُنیا سے ہمیشہ کے لیے جانا
اور پھر لوٹ کر کبھی نہ آنا
ایسی دُنیا سے دل کا کیا لگانا

یہ تین جملے ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ (منازلِ سلوک: ۴۴)

حُبِّ دُنیا کا علاج:

① موت کو بار بار سوچنا اور قبر کی تنہائی اور دُنیا سے جدائی کا مراقبہ کرنا۔

② ’’دنیا کی حقیقت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں‘‘ احقر کی اس کتاب کا مطالعہ ہر روز چند

منٹ کر لیا جاوے جس میں اُن احادیثِ نبویہ اللہ ﷺ کو جمع کر دیا گیا ہے جن کو پڑھ کر دل نرم ہو جاتا ہے اور آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۵ حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

③ اللہ والوں کی مجالس میں بار بار حاضری، بلکہ کسی اللہ والے سے جس کسی سے مناسبت ہو باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کر لینا شفائے رُوح کے لیے اکسیر ہے۔

④ دُنیا کے عاشقوں سے دُور رہنا کہ اس کے جراثیم بھی متعدی ہوتے ہیں۔

⑤ گاہ گاہ قبرستان میں یادِ آخرت کی نیت سے حاضری دینا۔

⑥ ذکر کا اہتمام و التزام کسی دینی مُربّی کے مشورہ سے کرنا۔

⑦ آسمان اور زمین، چاند و سورج اور ستاروں میں اور رات دن کے آنے جانے میں غور کرنا اور اپنے خالق اور مالک کو پہچاننا اور اُن کو حساب دینے کی فکر کرنا۔

(رُوح کی بیماریاں اور اُن کا علاج: ۱۵۰، حصہ اوّل)

دین پر قائم رہنے کے تین نسخے:

دین پر قائم رہنے کے تین نسخے غور سے سن لیجیے! دین پر قائم رہنا اور گناہوں سے بچنا اور ایمان پر لوٹ آنا، ان چیزوں کے لیے تین نسخے اس وقت عرض کر رہا ہوں:

①...... اللہ والوں کی صحبت میں آنا جانا، کبھی ایک رات ان کے پاس رہ جانا۔ یہ تجربہ کی بات کہہ رہا ہوں کہ رات کی رانی کے نیچے ایک شخص سو جائے، رات بھر سوتا رہے، اس کو احساس بھی نہ ہو کہ میں رات کی رانی کے نیچے سو رہا ہوں۔ لیکن جب اُٹھے گا تو اس کا دماغ تازہ دَم ہوگا کہ نہیں؟ کیوں؟ وہ تو سو رہا تھا۔ اللہ والوں کی شان کے بارے میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر بزرگوں کے یہاں کوئی سوتا بھی رہے، تو بھی محروم نہیں رہے گا، اِنْ شَآءَ اللہُ تَعَالٰی۔ کیونکہ ان کی سانس میں ذکر اللہ کا نور اَور ان کی آہوں کے اَنوار فضاؤں میں ہوتے ہیں۔ (کرامتِ تقویٰ: ۹)

دین پر قائم رہنے کے لیے اور دین میں ترقی کے لیے یعنی صرف استقامت ہی نہیں کہ آپ ایک مقام پر پڑے رہیں، بلکہ اللہ کے راستے میں آپ کو ترقی بھی ہوتی رہے گی، اس کے لیے جو نسخہ بتا

رہا ہوں وہ دین کی نعمت کی عطا کا بھی ضامن ہے، بقا کا بھی ضامن ہے اور دین کی ترقیات کا بھی ضامن ہے، اور وہ کیا ہے؟ اہل اللہ کی صحبت ہے۔ (ایضاً:۱۵)

② ...... تلاوت وذکر واِشراق واَوّابین وغیرہ اپنے شیخ کے مشورے سے کچھ عبادت نفلی کر لیجیے، اس سے رُوح کو غذا ملتی ہے، طاقت آجاتی ہے۔ جیسے کوئی آدمی کمزور ہے، دُشمن اس کو چت کر دیتا ہے، لیکن جب اس نے بادام اور دُودھ پینا شروع کیا تو کچھ ہی دن کے بعد اس کی چال بدل جائے گی، طاقت آتی ہے تو چال بھی بدل جاتی ہے، کمزوری کی چال میں اور طاقت والوں کی چال میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص اپنے شیخ کے مشورے سے رُوحانی غذا کھاتا ہے، یعنی اِشراق پڑھتا ہے، اَوّابین پڑھتا ہے، اور اللہ توفیق دے تو تہجد بھی پڑھتا ہے، تو اس طرح رَفتہ رَفتہ اس کی روحانی طاقت بڑھتی جاتی ہے، اس کی روح کی چال بدلتی جاتی ہے، نفس وشیطان دُور سے دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ اس کی روح کے اندر کتنی طاقت ہے۔ (ایضاً:۱۶، ۱۷)

③ ...... گناہوں کا زہر نہ کھائیے۔

بس یہی علاج ہے! اِنْ شَآءَ اللّٰہُ یہ تین نسخے آپ کے دین کی حفاظت، استقامت اور ترقی کی ضمانت ہیں۔ (ایضاً:۲۷)

علماء نے لکھا ہے کہ جس کی استقامت خطرے میں رہتی ہو؛ یعنی کبھی توبہ کرتا ہے، کبھی توبہ توڑتا ہے، چند دن تو مستقیم رہتا ہے بعد میں ٹیڑھا راستہ گناہوں کا اختیار کر لیتا ہے، ایسے شخص کو کثرت سے ''یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ'' پڑھنا چاہیے۔ اس میں اسمِ اعظم ہے کہ اے زمین اور آسمانوں کو سنبھالنے والے! میرا دِل سنبھالنا آپ پر کیا مشکل ہے۔ (اہل اللہ اور صراطِ مستقیم:۸)

ماحول کا اثر:

آج ہمارا حال مختلف ہے؛ اللہ والوں کی مجلس سے ہم بھاگتے ہیں، ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہ گناہ وعصیان کا ماحول ہے، گرد وپیش سے عام انسان تو عام انسان ہے ''ولی'' بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ سینما اور گانوں کی آواز، دُنیا کی فحاشی، یہ سب کچھ انسان کو متاثر کرتے ہیں۔

عاد و ثمود کی بستی سے جب گزر ہوا، تو حضور ﷺ نے منہ چھپالیا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جلدی سے گزر جانے کے لیے فرمایا۔

(صحیح البخاری:۷/۶(٤٤١٩)، کتاب المغازی، باب نزول النبی ﷺ الحجر، بیروت)

دیکھیے! ماحول کا اثر حضور ﷺ کی نگاہ میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اثر کا خوف نہ ہوتا، تو جلدی سے کیوں گزرتے؟ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بُرے ماحول سے کٹ کر اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھو، نورانیت پیدا ہوگی اور اچھے اثرات پڑیں گے۔

ساز اور آواز کا تباہ کن اثر:

بھائیو! اپنی خبر لیجیے! آپ کے اردگرد جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان سے بچیے۔ یہ گندے رسائل و اخبارات، یہ سینما، یہ ٹیلی ویژن، یہ ریڈیو اور اس میں بجنے والے گانے کیا ہیں؟ یہ سب انسانوں کو برباد کرنے والے ہیں۔ ان گندگیوں کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے اور انسان میں یہ گندگی گھر کر جاتی ہے، اس لیے ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ سب شیطانی حربے ہیں، ان کے ذریعہ وہ انسانوں کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ سانپ کتنا تیز اور ہوشیار ہوا کرتا ہے! مگر جب وہ بین کی آواز سنتا ہے تو مدہوش ہو جاتا ہے، جھومنے لگتا ہے اس کو کچھ خبر نہیں ہے اور سپیرا آسانی کے ساتھ اس کو گرفتار کر لیتا ہے، سانپ کی ساری چالاکی، پھرتی اور دفاعی قوت مفلوج ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان جب گانے سنتا ہے، تو وہ حقیقت کی دنیا سے غافل ہونے لگتا ہے، اس میں ایک مدہوشی کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اور پھر شیطان آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیتا ہے اور پھر جو چاہتا ہے وہ کراتا ہے۔ اس لیے میرے بھائیو! ان چیزوں سے پرہیز کیجیے۔ (باتیں اُن کی یاد رہیں گی:۱۳۵،۱۳۶)

توبہ کے بھروسے پر گناہ کرنے کا انجام:

شیطان دِل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ''ابھی تو گناہ کیے جاؤ پھر توبہ کر لینا''۔ لیکن یاد رکھو! کہ توبہ کے بھروسہ پر کوئی گناہ نہ کرنا، کیونکہ توبہ اپنے اختیار میں نہیں۔

ناظم آباد(کراچی) کا ہی قصہ ہے کہ ایک شخص تھا، زانی تھا کوئی گناہ نہ چھوڑا تھا۔ مَرنے لگا تو باتیں کررہا تھا کہ مجھے فلاں ڈاکٹر کو دِکھا دو، فلاں کھانا کھلا دو۔ زبان سب باتوں کے لیے کھلی ہوئی تھی۔ اس سے کہا گیا کہ اب توبہ کرلے، تُو نے بہت گناہ کیے ہیں۔ کہنے لگا کہ: بس یہی لفظ منہ سے نہیں نکلتا۔ کیوں صاحب! یہ ''ت، و، ب، ہ'' پر کس نے پہرہ ڈال دیا؟ تمام الفاظ کے لیے زبان کھلی ہوئی ہے اوران چار لفظوں کے اَدا کرنے سے قاصر ہے۔ (خزائنِ معرفت ومحبت: ۲۳۶، ۲۳۷)

نصرتِ الٰہی سے محرومی کی وجہ:

نصرتِ الٰہی سے محرومی کی وجہ ہماری ''شامت ِعمل'' ہے۔ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم [اب رحمہ اللہ تعالیٰ ہوگئے] فرماتے ہیں کہ کوئی لڑکا نالائق ہو اور باپ کو ناراض کر رکھا ہو جس کی وجہ سے باپ کی عنایات سے محروم ہو، اب اگر باپ کے جگری دوست اس کی لاکھ سفارش کریں کہ بیٹے کو معاف کر دیجیے، لیکن بیٹا باپ سے معافی نہیں مانگتا، تو بتائیے! باپ اپنے دوستوں کی سفارش مانے گا؟

اسی طرح اہل اللہ تو ہمارے لیے دِن رات دعا کر رہے ہیں، لیکن ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ''رُجوع'' نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ''نصرت'' سے محروم ہیں۔ (تربیتِ عاشقانِ خُدا: ۲/۲۶۲)

اُمت کو بشارت سے دین پر لائیں:

اس طریقہ سے اِصلاح اور تربیت اور دین کی دعوت دو کہ اُمت پر گراں نہ گزرے۔ اس اُمت کو بشارت سے دین پر لے کر آؤ، اس پر گرانی مت کرو کہ ایک دَم سے بہت زیادہ وظیفے بتلا دیے، پہلا ہی سبق اس کو ''ایم ایس سی'' (MSc) کا دے دیا، جس نے ابھی ''اے بی سی ڈی'' (ABCD...) بھی نہیں شروع کی، اس کو پہلے ہی دن کہہ دیا کہ اتنے تہجد اور اَوّابین بھی پڑھو۔

نہیں! پہلے فرض، واجب اور سنتِ مؤکدہ پڑھواؤ، اس کے بعد ڈھیرے ڈھیرے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے تھوڑا سا وظیفہ بھی بتا دو، یعنی کچھ وٹامن سی، ڈی اور سیرپ بھی پلاتے رہو۔ پھر جب طاقت آجائے گی، تو خود ہی بھاگے گا۔

اب ایک ٹائیفائڈ (Typhoid) کا مریض لیٹا ہوا ہے، چالیس دن کا بخار ہے، کمزور ہو گیا ہے، اس کو کہو کہ بھاگو! وہ کیسے بھاگے گا؟ بھاگے گا، تو بے ہوش ہو کر، گر پڑے گا۔ ہاں! جب وہ صحت مند ہو جائے، پھر اس کو خمیرہ چٹاؤ، بادام کھلاؤ، گلوکوز چڑھاؤ، تب وہ ایسا بھاگے گا کہ آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہو گی۔

جب اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو گی، تو آپ تلاش کریں گے کہ اپنی جان کو کس طرح سے خدا پر فدا کریں، وقت کب آئے گا کہ تلاوت کریں، کب وقت ملے گا کہ تسبیح کے لیے اللہ تعالیٰ کی یاد میں گوشۂ سکون میں بیٹھیں، پھر خواجہ صاحب کی طرح یہ شعر پڑھیں گے ؎

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے ہوتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی

(کیفِ رُوحانی کیسے حاصل ہو؟: ۱۳، ۱۴)

گناہوں سے بچنے کا سب سے آسان طریقہ:

اللہ کی محبت سیکھ لو! یہی ایک چیز سیکھ لو، پھر سارے گناہ خود ہی چھوٹ جائیں گے، محبت میں اللہ نے یہ اثر رکھا ہے۔ مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؏

از محبت تلخ ہا شیریں شود

محبت سے سب کڑوی چیز میٹھی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ابھی گناہ چھوڑنا بہت کڑوا لگ رہا ہے، بہت مشکل لگ رہا ہے، لیکن جب اللہ کی محبت دل میں آجائے گی تب جان کی بازی لگا کر خوشی خوشی سب گناہ چھوڑنے کا غم برداشت کر لو گے، کیونکہ محبت میں اللہ نے یہ خاصیت رکھی ہے۔ کوئی محبّ اپنے محبوب کو ناراض کرنا نہیں چاہتا، وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ صغیرہ گناہ ہے یا کبیرہ گناہ ہے، وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ گناہ کرنے سے اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا کرو، پھر اِنْ شَآءَ اللّٰہُ گناہ چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔

حکیم الامت مجدّد الملّت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں یہ خاصیت ہے کہ جو اللہ کے

عاشقین ہیں وہ تو یہ دیکھتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے میں اللہ سے دُور ہو جاؤں گا، عاشق ڈنڈے سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا دُوری سے ڈرتا ہے، عاشق حضوری کا زیادہ حریص ہوتا ہے اور دُوری سے بہت ڈرتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے دُور ہو جاؤں گا، وہ مجھے گیٹ آؤٹ کر دے گا، نکال دے گا۔ جو اللہ کے عاشقین ہیں وہ دوزخ کے عذاب کے خوف سے زیادہ سے یہ خوف رکھتے ہیں کہ گناہ مجھے اللہ سے دُور کر دے گا، میں اپنے مالک سے، اپنے پیدا کرنے والے مولیٰ سے دُور ہو جاؤں گا، لہٰذا میں یہ گناہ نہیں کروں گا، یہ گناہ مجھے اللہ سے دُور کر دے گا۔

اللہ کی محبت حاصل کرنے کا نسخہ:

اس لیے میرے دوستو! میں یہی کہتا ہوں کہ اللہ کی محبت سیکھ لو۔ مگر یہ محبت ملتی کیسے ہے؟ اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے تین باتوں سے۔ حکیم الامت کے وعظ سے یہ بات نقل کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے تین چیزوں سے:

①...... ذکر اللہ کی پابندی کرنے سے۔

②...... اہل اللہ کی، عاشقینِ خدا کی صحبت اختیار کرنے سے۔

③...... اللہ کے انعامات کا اِستحضار کرنے سے۔ (قربِ الٰہی کا اعلیٰ مقام: ۲۲، ۲۳)

اُمیدِ رحمتِ الٰہیہ:

دوستو! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور فضل عظیم الشان ہے، اگر گناہوں سے نہ بھی نکل سکو تو بھی اللہ کی ذات سے کبھی نا امید نہ ہو، بس ان کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو، اللہ سے مانگتے رہو ؎

بیٹھے گا چین سے اگر، کام کے کیا رہیں گے پَر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں دَر، اس پر ہو کیوں تیری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

اِنْ شَآءَ اللہُ ایک دن دروازہ کھل جائے گا۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم ﷺ

فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں درہم سرے

اگر تم اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو گے تو اس دروازے سے ایک نہ ایک دن ضرور کوئی سَر ظاہر ہو گا۔ لہٰذا مانگتے رہو کہ: ''اللہ! میری اصلاح کر دے، اللہ! میری اصلاح کر کے مجھ کو اپنے پیار کے قابل بنا دے، میری صورت کو اور سیرت کو اپنے پیار کے قابل بنا دے، ہم خود سے بننا چاہتے ہیں مگر نہیں بن پاتے، اگر ہم خود بن جاتے تو پھر آپ سے کیوں فریاد کرتے؟ میری یہ فریاد اور میری یہ آہ و زاری دلیل ہے کہ ہماری طاقتیں ہمارا ساتھ نہیں دے رہی ہیں، ہمارے اِرادے ہماری ہمتیں ہمیں کامیاب نہیں کر رہی ہیں جب ہی تو آپ سے رو رہے ہیں''۔

اللہ سے رونے والے کے یہ آنسو عرشِ اعظم پر محفوظ کر دیے جاتے ہیں، ایک نہ ایک دن دروازہ کھلے گا اور اسے جذب کر لیا جائے گا۔ (حیاتِ دائمی کی راحتیں: ۱۴، ۱۵)

دُشمنوں سے حفاظت کی ایک دُعا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ

(سنن ابی داؤد: ٢/ ٦٤٠ (١٥٣٧)، کتاب الصلوٰۃ، ابواب فضائل القرآن،

باب ما یقول الرجل اذا خاف قومًا، بیروت)

یہ حدیث کی دعا ہے کہ اے اللہ! دُشمنوں کے مقابلے میں ان کی گردن پر میں آپ کو پیش کرتا ہوں تا کہ آپ انھیں ذبح کر دیں۔ ذبح کرنے کو ''نحر'' کہتے ہیں اور نحر کی جمع ''نحور'' ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ اے اللہ! میرے جتنے دشمن ہیں ستا رہے ہیں، ظلم کر رہے ہیں ان کی گردن اور نحر پر میں آپ کو مقرر کرتا ہوں کہ آپ ان کو ذبح کر دیجیے۔ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ اور ان کے شر سے آپ ہم کو نجات عطا فرمایے۔ (آفتابِ نسبتِ مع اللہ: ۶۳۷)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ہوش میں مجذوب آ، ہُشیار ہو
حد سے گُزری غفلت، اَب بیدار ہو
عُمر سی اَنمول شئے ضائع نہ کر
آخرت کے واسطے تیار ہو
خواجہ مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ

دیگر علمی واصلاحی مطبوعات

مدرسہ احیاء السنۃ و خانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ
فاروقہ ۴۰۱۴۰ ضلع سرگودھا